حضرت میر محمد اسحاقؓ نمبر

ستمبر اکتوبر ۱۹۶۱ء

ایڈیٹر
ابوالعطاء جالندھری

الاستاذ الکبیر

حضرت میر محمد اسحاق رضی اللہ عنہ

(وفات - ۱۷ مارچ ۱۹۴۴ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۱۱ | ستمبر، اکتوبر ۱۹۶۱ء | الفرقان ربوہ | ربیع الثانی، جمادی الاولیٰ ۱۳۸۱ھ | شمارہ ۹-۱۰

سالانہ چندہ چھ روپے صرف | اس خاص نمبر کی قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے

فہرست مضامین

مضمون	مصنف	صفحہ
۱- بہترین خراجِ تحسین	حضرت امام جماعت احمدیہ خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہٖ	ص ۳
۲- احمدیت کا بطلِ عظیم	حضرت مرزا بشیر احمد صاحب مدظلہ العالی	۴
۳- حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ کی وصیت اور دیگر چند ایمان افروز تحریرات	ایڈیٹر	۹
۴- ہدیۂ عقیدت (نظم)	جناب ثاقب صاحب زیروی	۱۷
۵- حضرت میر صاحبؓ کی شادی (نظم)	حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ بنصرہ	۱۸
۶- حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کی وفات (نظم)	جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ لائلپور	۱۹
۷- محبت و عقیدت کے چند پھول	ابو العطاء	۲۰
۸- حضرت میر صاحبؓ کا بے مثال جذبۂ مہمان نوازی	جناب منشی عبد الخالق صاحب سابق مہتمم لنگر خانہ	۲۴
۹- حضرت میر محمد اسحاق صاحب کی نیک تاثیرات	جناب مرزا عبد الحق صاحب امیر جماعت ہائے احمدیہ سرگودھا	۲۵
۱۰- ایک روحانی عالم باعمل کے اقوال و اعمال کی ایک جھلک	جناب مولوی محمد حفیظ صاحب بقاپوری فاضل قادیان	۲۷
۱۱- ہمارے بزرگ استاد کے شمائلِ حسنہ	جناب چوہدری محمد شریف صاحب فاضل انچارج مشن گیمبیا	۳۴
۱۲- میرے محسن	جناب شیخ محمد احمد صاحب مولوی فاضل پانی پتی لاہور	۳۷
۱۳- حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کی زندگی کا ایک ورق	جناب صوفی بشارت الرحمٰن صاحب ایم۔ اے ربوہ	۴۲
۱۴- حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کے متعلق چند باتیں	حضرت مولوی عبد الرحمٰن صاحب فاضل امیر جماعت احمدیہ قادیان	۴۳
۱۵- حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کا وصال (نظم)	جناب شیخ رحمت اللہ صاحب شاکر سیالکوٹ	۴۶
۱۶- حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کے محاسن کا تذکرہ	مرتبہ عطاء المجیب صاحب راشد	۴۷
۱۷- حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کی خود نوشت مختصر سوانح حیات	مرسلہ جناب مولوی دوست محمد صاحب شاہد ایڈیٹر خالد	۴۹
۱۸- حضرت میر صاحبؓ کی ذریتِ صالحہ	ابو العطاء	۵۰
۱۹- حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کی یادیں	جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ لائلپور	۵۱
۲۰- میر محمد اسحاقؓ (نظم)	جناب قریشی آفتاب احمد صاحب بسمل کراچی	۵۴
۲۱- حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کا ذکرِ خیر	جناب مولوی برکات احمد صاحب راجیکی ناظر امور عامہ قادیان	۵۵
۲۲- حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کے مختصر حالاتِ زندگی	جناب شیخ عبد القادر صاحب فاضل مربی سلسلہ لاہور	۶۳
۲۳- حضرت میر صاحبؓ کی سزا اور اس کا اثر	مکرم میاں رشید احمد صاحب بٹ ضلع نواب شاہ	۷۰

طابع و ناشر- ابو العطاء جالندھری * مطبع: ضیاء الاسلام پریس ربوہ * مقامِ اشاعت- دفتر الفرقان ربوہ ضلع جھنگ

مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۲۴۔ حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کی قوت قدسیہ کا نیک اثر	جناب فدا محمد خان صاحب بی۔اے ربوہ	۷۱
۲۵۔ حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ سے متعلق چند قیمتی یادیں	جناب مولوی برکت علی صاحب لائق لدھیانوی چوٹانوالہ	۷۳
۲۶۔ میری بعض یادداشتیں	جناب مولانا محمد سلیم صاحب فاضل دہلی	۸۰
۲۷۔ دو قابلِ قدر سبق	جناب ایم عبید اللہ صاحب جہلم	۸۲
۲۸۔ آئینہ مجذبات (نظم)	جناب ماسٹر عبد الرحمن صاحب خاکی بی۔اے راولپنڈی	۸۳
۲۹۔ حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کی زندگی کا بہترین تجربہ	جناب شیخ مبارک احمد صاحب رئیس التبلیغ مشرقی افریقہ	۸۴
۳۰۔ حضرت میر صاحبؓ کی علمی و عملی زندگی	حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل	۸۷
۳۱۔ ہمارے شفیق استاد	جناب مولانا غلام باری صاحب سیف پروفیسر جامعہ احمدیہ	۸۹
۳۲۔ حضرت میر صاحبؓ کے متعلق چند واقعات	مکرم مولوی عطاء الرحمن صاحب طاہر مولوی فاضل کراچی	۹۱
۳۳۔ حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کا ورودِ پشاور	حضرت قاضی محمد یوسف صاحب امیر جماعت احمدیہ ہوتی۔ مردان	۹۲
۳۴۔ حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کی یادمیں (نظم)	حضرت قاضی اکمل صاحب	۹۳
۳۵۔ حضرت میر صاحبؓ کا حدیثِ نبوی سے عشق اور اس کا اثر	جناب چودھری عبد المنان صاحب مولوی فاضل مظفر گڑھ	۹۴
۳۶۔ حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کی وفات پر ایک تعزیت نامہ	حضرت حافظ مختار احمد صاحب شاہجہانپوری	۹۶
۳۷۔ حضرت میر صاحبؓ کی نہ بھولنے والی یاد	جناب خواجہ خورشید احمد صاحب سیالکوٹی	۹۸
۳۸۔ قابلِ ذکر یادیں	جناب چودھری عبد القدیر صاحب درویش قادیان	۱۰۰
۳۹۔ حضرت میر صاحب فانی فی اللہ انسان تھے	جناب حکیم عبد اللطیف صاحب شاہد لاہور	۱۰۲
۴۰۔ چند ایمان افروز واقعات	جناب مولوی عبد المجید صاحب منیب معلم وقف جدید سرگودہا	۱۰۴
۴۱۔ حضرت میر صاحبؓ کے جذباتِ شفقت و محبت	جناب مولوی عبد اللطیف صاحب فاضل ستکوہی لاہور	۱۰۷
۴۲۔ حضرت میر صاحبؓ کے واقعات میں سے کچھ	جناب سید سبط الحسن صاحب کراچی	۱۰۹
۴۳۔ حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کی غریب پروری	محترمہ عائشہ بی بی صاحبہ بیوہ میاں احمد الدین صاحب ٹیلر ماسٹر	۱۱۱
۴۴۔ ابا جان کے متعلق چند باتیں	محترمہ سیدہ بشریٰ بیگم صاحبہ بنت حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ	۱۱۳
۴۵۔ حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کا ذکرِ خیر	جناب کیپٹن ڈاکٹر محمد رمضان صاحب پنشنر	۱۱۵
۴۶۔ حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کی زندگی کے بعض پہلو	جناب مولوی عبد الرحمن صاحب انور مولوی فاضل	۱۱۷
۴۷۔ بعض ایمان افروز اور دلچسپ واقعات	جناب مولوی محمد یسین صاحب سابق محرر نظارت ضیافت	۱۱۹
۴۸۔ حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کی اعلیٰ سیرت	جناب مولوی محمد اسمٰعیل صاحب ذبیح مولوی فاضل	۱۲۲
۴۹۔ حضرت میر صاحبؓ کا حسنِ سلوک	جناب مولوی عبد الرحیم صاحب عارف مولوی فاضل جھنگ	۱۲۵
۵۰۔ ایک روایت	مکرم چودھری فضل الرحمن صاحب	۱۲۶
۵۱۔ حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کا لوحِ مزار	حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ	ٹائیٹل ۳

حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ کے لئے

حضرت امام ہمام ایدہ اللہ بنصرہ کا بہترین خراجِ تحسین

(۱) ۱۷ مارچ ۱۹۴۴ء کو حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کی وفات کے فوراً بعد اسی جگہ پر حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ نے ایک دردمندانہ مختصر تقریر فرمائی اور فرمایا کہ:-

"حضرت میر محمد اسحاق صاحب رضی اللہ عنہ خدمات سلسلہ کے لحاظ سے غیر معمولی وجود تھے۔ درحقیقت میرے بعد علمی لحاظ سے جماعت کا فکر انہی کو رہتا تھا۔ وہ رات دن قرآن و حدیث پڑھانے میں لگے رہتے تھے۔ زندگی کے اس آخری دور میں وہ کئی بار موت کے منہ سے بچے۔ کیونکہ جلسہ سالانہ پر وہ اس طرح اندھادھند کام کرتے تھے کہ کئی بار ان پر نمونیہ نے حملہ کیا۔ میر صاحب کی وفات سلسلہ کا نقصان ہے اور اتنا بڑا نقصان ہے کہ بظاہر یہی نظر آتا ہے کہ اس نقصان کا پورا کرنا آسان نہیں۔ مولوی عبدالکریم صاحب مرحومؓ اس طرز کے تھے۔ ان کے بعد حافظ روشن علی صاحبؓ اور تیسرے میر محمد اسحٰق صاحبؓ اس رنگ میں رنگین تھے۔" (الفضل ۱۹ مارچ ۱۹۴۴ء صـ۲)

(۲) حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ نے ایک خطبہ جمعہ میں جماعت احمدیہ کے لئے خدائی سنت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:-

"حافظ روشن علی صاحب مرحومؓ، میر محمد اسحاق صاحبؓ اور مولوی محمد اسمٰعیل صاحبؓ

مرحوم ..... ان میں سے ایک (حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم) کتابوں کے حوالے یاد رکھنے کی وجہ سے اور باقی دو اپنے مباحثوں کی وجہ سے جماعت میں اتنے مقبول ہوئے کہ مجھے یاد ہے اُس وقت ہمیشہ جماعتیں یہ لکھا کرتی تھیں کہ اگر حافظ روشن علی صاحب اور میر محمد اسحاق صاحب نہ آئے تو ہمارا کام نہیں چلے گا حالانکہ چند مہینے پہلے حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کی زندگی میں انہیں کوئی خاص عزّت حاصل نہیں تھی۔ میر محمد اسحاق صاحب کو تو کوئی جانتا بھی نہیں تھا اور حافظ روشن علی صاحب گو جماعتوں کے جلسوں پر آنے جانے لگ گئے تھے مگر لوگ زیادہ یہی سمجھتے تھے کہ ایک نوجوان ہے جسے دین کا شوق ہے اور وہ تقریروں میں مشق پیدا کرنے کیلئے آجاتا ہے مگر حضرت خلیفہ اوّل رض کی وفات کے بعد چند دنوں میں ہی خدا تعالیٰ نے وہ عزّت اور رعب بخشا کہ جماعت نے یہ سمجھا کہ ان کے بغیر اب کوئی جلسہ کامیاب ہی نہیں ہو سکتا پھر کچھ عرصہ کے بعد جب اِدھر میر محمد اسحاق صاحب کو نظامی امور میں زیادہ مصروف رہنا پڑا اور اُن کی صحت بھی خراب ہو گئی اور اُدھر حافظ روشن علی صاحب وفات پا گئے تو کیا اُس وقت بھی کوئی رخنہ پڑا؟ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے فوراً مولوی ابوالعطاء صاحب اور مولوی جلال الدین صاحب شمس کو کھڑا کیا اور جماعت نے محسوس کیا کہ یہ پہلوں سے علمی لحاظ سے قائم مقام ہیں۔"

(الفضل ۱۹ر نومبر ۱۹۵۶ء)

احمدیت کا بطل عظیم

حضرت میر محمد اسحاق صاحب مرحوم و مغفور

(حضرت مرزا بشیر احمد صاحب مدظلہ العالی کے قلم سے)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ابتدائی زمانہ کا الہام ہے کہ الحمد للہ الذی جعل لکم الصھر والنسب۔ یعنی شکر گزار ہو اپنے خدا کا جس نے سسرال اور باپ دادا دونوں کی طرف سے تمہارا رشتہ اچھی نسل کے ساتھ جوڑا ہے۔" حضرت میر محمد اسحاق صاحب مرحوم حضرت مسیح موعود کے اسی صہری رشتے کی ایک مقدس کڑی تھے اور ہندوستان کے مشہور صوفی منش بزرگ حضرت خواجہ میر درد کی نسل میں سے تھے۔ وہ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھائی تھے اور رضاعت کے رشتے میں حضرت اماں جان کے فرزند بھی تھے۔ اس طرح ان کے ساتھ ہمارا دوہرا رشتہ تھا۔ یعنی ایک جہت سے وہ ماموں تھے اور دوسری جہت سے بھائی بھی تھے۔

ہمارے نانا جان مرحوم حضرت میر ناصر نواب صاحب رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے یہ غیر معمولی امتیاز بخشا کہ اُن کی ایک لڑکی اور دو لڑکے (اور یہی ان کی کُل اولاد تھی) آسمانِ ہدایت پر ستارہ بن کر چمکے اور جس میدان میں قدم رکھا اس میں کمال پیدا کیا۔ ہمارے بڑے ماموں حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم گو بظاہر دنیوی تعلیم کی طرف ڈالے گئے اور بالآخر نہایت قابل سول سرجن بن کر سروس سے ریٹائر ہوئے مگر ان کا بھی اصل میدان عمل دین تھا۔ انہوں نے تصوّف میں بہت بڑا درجہ حاصل کیا اور اپنے پیچھے نظم و نثر کا ایسا پُرمعارف کلام چھوڑا جو جماعت کی رگوں میں مدتوں تک زندگی کا تازہ اور گرم خون پیدا کرتا رہے گا۔

حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب کے تصوّف کے مقابل پر ہمارے چھوٹے ماموں حضرت میر محمد اسحاق صاحب نے دین کا ظاہری علم حاصل کیا اور اسی کو کمال تک پہنچا دیا۔ حتیٰ کہ اُن کے اس دینی کمال اور دینی خدمات کی وجہ سے ہمارے بڑے ماموں صاحب کے دل میں ان کی اتنی عزت تھی کہ جب حضرت میر محمد اسحاق صاحب نے اپنی مرض الموت میں ایک سے قے کی اور اس قے کے چھینٹے حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب کے کوٹ پر بھی

پڑے تو انہوں نے ان پچھیتڑوں کو دھونے سے انکار کر دیا اور اپنے اس کوٹ کو اپنے پیارے بھائی کے تبرک کے طور پر اپنے پاس محفوظ کر لیا۔

حضرت میر محمد اسحاق صاحب کی عقل نہایت درجہ تیز اور دل و دماغ کی طاقتیں انتہائی طور پر روشن تھیں۔ مناظرہ میں ان کو یہ کمال حاصل تھا کہ اپنی نوجوانی میں بھی جہاں دیدہ اور کہنہ مشق مخالفوں کو چند منٹ میں خاموش کرا کے رکھ دیتے تھے۔ ۱۹۱۳ء میں جبکہ وہ ابھی بالکل نوجوان تھے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ نے انہیں بمبئی میں تبلیغ کے لئے بھیجا اور اس سفر میں یہ خاکسار بھی ان کے ساتھ تھا۔ وہاں ایک بڑے جہاں دیدہ بوڑھے پادری نے غیر احمدی مسلمانوں کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ لیکن جب حضرت میر محمد اسحاق صاحب کا اس کے ساتھ مناظرہ ہوا تو ان کے سامنے یہ خرانٹ پادری ایک طفلِ مکتب نظر آتا تھا۔ اور مسلمان نوجوانوں نے خوش ہو کر حضرت میر محمد اسحاق صاحب کو گویا اپنے ہاتھوں میں اٹھا لیا۔

جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا ہے حضرت میر محمد اسحاق صاحب کا دماغ بڑا صاف اور بڑا روشن تھا۔ وہ جب بظاہر ایک کمزور بات پر بھی بولنے لگتے تھے تو مضبوط بات سے حاملین ان کے سامنے لاجواب ہو کر رہ جاتے تھے۔ ایک لطیفے کی بات ہے کہ ایک دفعہ حضرت میر صاحب نے قادیان میں وفات و حیات مسیح ناصریؑ پر اپنے شاگردوں کا ایک مناظرہ کرایا۔ اس مناظرہ کی غرض مناظرے کے میدان میں نوجوانوں کی ٹریننگ تھی۔ جماعت کے دوست جانتے ہیں کہ احمدیوں میں وفاتِ مسیح کا مسئلہ اتنا واضح ہو چکا ہے اور اتنی پختہ اور قطعی دلیلوں سے ثابت ہے کہ ایک بچہ بھی جو تعصب سے خالی ہو اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن چونکہ حضرت میر محمد اسحاق صاحب مرحوم بچوں کو مشق کرانے کے خیال سے حیاتِ مسیحؑ کی تائید کرنے والی پارٹی کی طرف سے کھڑے ہو گئے تھے اسلئے انہوں نے اپنے مصنوعی دلائل سے مجلس میں ایسا سماں باندھا کہ بعض کم واقف اور کمزور طبیعت نوجوان پریشان ہو کر بول اٹھے کہ کیا مسیح ناصری واقعی زندہ تو نہیں ہیں؟ مجلس مشاورت میں حضرت میر صاحب کی تقریریں سننے سے تعلق رکھتی تھیں اور جب وہ بولنے کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ گھنے بادلوں سے گھرا ہوا آسمان دیکھتے ہی دیکھتے بادلوں کی تاریکی سے بالکل صاف ہو گیا ہے اور کسی بادل کا نام و نشان تک باقی نہیں رہا۔

جماعت احمدیہ کے مختلف شعبوں میں سے حضرت میر محمد اسحاق صاحب مرحوم کو دو رستوں میں خاص طور پر نمایاں خدمت کا موقعہ ملا۔ اوّل بطور ناظر ضیافت کی حیثیت میں اور دوسرے

ہیڈ ماسٹر مدرسہ احمدیہ کی حیثیت میں۔ اور ان دونوں میں ان کا کام اتنا کامیاب اور اتنے شاندار اور اتنے خوبصورت نتائج کا حامل تھا کہ آج تک بعد میں آنے والا کوئی افسر ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچا۔ ناظر ضیافت کی حیثیت میں وہ یوں نظر آتے تھے کہ گویا ایک گھر کا بزرگ بیٹھا ہوا اپنے بچوں اور عزیزوں اور دوستوں کی مہمانی سے لطف اندوز ہو رہا اور ان کو لطف اندوز کر رہا ہے۔ وہ اکثر جب کسی باہر سے آنے والے دوست کو رستے میں دیکھتے تھے تو اسے پکڑ کر مہمانخانہ میں لے آتے تھے کہ چلو پہلے حضرت مسیح موعودؑ کے لنگر میں کھانا کھاؤ اور آرام کرو اور پھر کسی اور جگہ جانا۔ مہمانوں کی خدمت اور ان کی دلداری اور ان کا اکرام حضرت میر صاحب مرحوم کی روح کی غذا تھی۔ اگر کبھی صدر انجمن کا بجٹ ختم ہو جاتا تو وہ پھر بھی اپنی مہمانی کے فرائض اسی محبت اور اسی جوش و خروش سے جاری رکھتے اور پرائیویٹ چندہ کے ذریعہ مالی کمی کو پورا کر لیتے اور ان کے چندوں کی اپیل ہمیشہ کامیاب رہتی تھی۔

ہیڈ ماسٹر مدرسہ احمدیہ ہونے کی حیثیت میں بھی حضرت میر محمد اسحاق صاحب کا کام بڑا نمایاں اور شاندار تھا۔ وہ مدرسہ کے بچوں کو اپنے بچوں کی طرح سمجھتے، ان سے محبت کرتے، ان کی دلداری کرتے، ان کی خدمت کرتے اور غریب بچوں کی مالی امداد کا انتظام بھی کرتے۔ اور اگر کہیں سفر پر جاتے تو بعض بچوں کو تربیت کی خاطر اپنے ساتھ لے جاتے تھے اور اپنے عزیزوں کی طرح ان کا خیال رکھتے۔ ان کے زمانہ کی یہ ایک خصوصیت تھی کہ چونکہ حضرت میر صاحب خود تقریر کے فن میں کمال رکھتے تھے اس لئے ان کی تربیت میں کئی بچے بہت عمدہ مقرر اور عمدہ مناظر بن گئے۔ اور نوجوان طلباء کی ہمتیں اتنی بلند ہو گئیں کہ کہنہ مشق مولویوں اور پادریوں اور پنڈتوں کے ساتھ ٹکر لینے کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔

درس تدریس کا بھی حضرت میر صاحب کو بے حد شوق بلکہ عشق تھا۔ ان کا حدیث کا درس اب تک سننے والوں کے کانوں میں گونج پیدا کر کے ان کے دلوں کو گرما رہا ہے اور ان کی نگاہیں اس ذوق و شوق اور محبت سے درس دینے والے کو بے تابی سے ڈھونڈتی ہیں مگر نہیں پاتیں۔

حضرت میر محمد اسحاق صاحب کی ایک خاص یادگار دار الشیوخ تھی جس میں غریب اور معذور بچے بلکہ بعض بوڑھے بھی کافی تعداد میں رہتے تھے اور حضرت میر صاحب اپنی پرائیویٹ کوشش کے ذریعہ ان کے اخراجات وغیرہ مہیا کر کے انہیں تعلیم دلاتے تھے اور اپنے عزیزوں کی طرح ان کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ اور نابینا بچوں کو قرآن مجید کے حفظ کرانے کا انتظام بھی

کرتے تھے۔ حافظ محمد رمضان صاحب جن کی رمضان کے مہینے میں کئی شہروں کی طرف سے مانگ رہتی ہے وہ حضرت میر صاحب مرحوم کی کوبیانہ اور رہبیانہ توجہ ہی کا ایک پھل ہیں۔

افسوس کہ حضرت میر صاحب کی عمر نے زیادہ وفا نہیں کی اور وہ چوہتّر سال کی عمر میں ہی جو ایک طرح سے گویا جوانی کی عمر ہے جماعت کو داغ مفارقت دے گئے۔ ان کی وفات سے تعلق رکھنے والا ایک واقعہ مجھے نہیں بھولتا۔ جب حضرت میر صاحب اپنے بچپن کے زمانہ میں ایک دفعہ بیمار ہوئے تھے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دُعا کرنے پر حضورؑ کو ان کے متعلق قرآنی آیت کے الفاظ میں یہ الہام ہوا تھا کہ سلامٌ قولًا من ربٍّ رحیم۔ اور وہ اس خدائی بشارت کے ماتحت اُس وقت صحت یاب ہو گئے۔ لیکن جب ان کی مقدر اَجل آگئی تو یہ عجیب توارد ہے بلکہ غیر معمولی تصرف الٰہی ہے کہ ان کے پہلو میں یٰسین پڑھنے والے دوست (غالباً حافظ محمد رمضان صاحب ہی تھے) جب اس آیت پر پہنچے کہ سلامٌ قولًا من ربٍّ رحیم تو عین اُس وقت حضرت میر محمد اسحاق صاحب نے خدائی آواز پر لبیک کہا اور اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ گویا یہی قرآنی آیت بچپن کے زمانہ میں میر صاحب کی دنیوی زندگی کی بشارت بنی اور اَجل مقدر کے وقت اُخروی زندگی کی کامیابی کی بشارت بن گئی۔ ان کی وفات پر جماعت کا غریب طبقہ اور خصوصاً دار الشیوخ اور مدرسہ احمدیہ کے طلبہ کا طبقہ اِس طرح بلک بلک کر روتا تھا کہ گویا وہ سچ مچ یتیم ہو گیا ہے۔ اور واقعی وہ ایک طرح سے آج تک بھی یتیم ہی چلا جا رہا ہے۔ ہمارا آسمانی آقا ان یتیموں کا حافظ و ناصر ہو۔ وکلّ من علیہا فانٍ و یبقٰی وجہ ربّک ذو الجلال والاکرام ۔

خاکسار

مرزا بشیر احمد ربوہ ۹/ ۶۱

معذرت

اس مرکزی مضامین کی اہمیت کے باعث، صفحات کے غیر معمولی اضافہ کے باوجود رسالہ الفرقان کے محسن اور مستقل خریداروں کے اسماء گرامی بغرض دعا شائع نہیں ہو سکے لیکن ان سب کے لئے دُعا گو ہوں اور جملہ قارئین سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ مجموعی رنگ میں سب کے لئے دعا فرمائیں۔ آئندہ بالتفصیل شائع ہوں گے۔ انشاءاللہ۔

(ایڈیٹر)

حضرت میر محمد اسحاق صاحب رضی اللہ عنہ کی وصیت

اور

دیگر چند ایمان افروز تحریرات

(ابو العطاء)

(۱)

۵ رفروری ۱۹۰۶ء کو عیدالاضحیٰ کے روز حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تازہ رؤیا کے مطابق حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کے نکاح کا اعلان حضرت مولانا نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی موجودگی میں فرمایا۔ یہ مبارک نکاح حضرت محترمہ صالحہ بیگم صاحبہؓ بنت حضرت پیر منظور محمد صاحب لدھیانویؓ سے ہوا تھا۔ (بدر ۸ رفروری ۱۹۰۶ء)

حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ نے ۲۲ راپریل ۱۹۱۲ء کو ذیل کی چٹھی حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی خدمت میں لکھی :-

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

سیدی ومولائی -

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نصیرہ کی والدہ مجھ سے عربی پڑھنا چاہتی ہیں - قرآن اور حدیث

نصیرہ بیگم تو جناب سے تعلیم کرتی ہیں۔ ادب صرف نحو کی ایک
ایک کتاب فی الحال شروع کرنا چاہتی ہیں جناب
سے تیمناً نام دریافت کرتی ہیں کہ فی الحال ابتداءً
صرف نحو ادب کی یہاں ایک ایک کتاب
کونسی شروع کیا دے۔

سید محمد اسحٰق

۲۲ اپریل ۱۱ء

اِس خط سے اُن خلوص اور ادب و احترام کا بھی پتہ لگتا ہے جو حضرت میر صاحبؓ کے دل میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضؓ کے لئے تھا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آپ کو اپنے اہل بیت کی تعلیم و تربیت کا کتنا خیال تھا حضرت میر صاحبؓ نے اپنی بیگم صاحبہ کا نام نہیں لکھا بلکہ اپنی بچی نصیرہ بیگم صاحبہ کی والدہ کے طور پر اُن کا ذکر کیا ہے۔ اِس سے اہلِ خانہ کے اکرام کا بھی سبق ملتا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ نے جواباً تحریر فرمایا:۔
"مبارکباد۔ میزان الصرف مع منشعب۔ مائتہ عامل نظم"۔

(۲)

ذیل میں ایک بلا تاریخ چٹھی کا عکس درج کیا جاتا ہے جو آپ نے حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب رضی اللہ عنہ کو نسخہ تجویز کرنے کے لئے لکھی تھی۔

(یہ عکس سامنے کے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

اِس سے اُس ادب کا اظہار ہوتا ہے جو آپ کے دل میں اپنے بڑے بھائی کے لئے تھا۔ نیز یہ کہ بیماری کے علاج کی طرف بروقت توجہ کرنی چاہیئے۔

(۳)

مورخہ پانچ اپریل ۱۹۴۲ء کو حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ نے اپنی تکلیف دہ بیماری کے پیش نظر جو چٹھی برائے تجویز علاج حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ کو لکھی وہ حسب ذیل ہے:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　نحمدہ و نصلی

مکرم و معظم جناب بھائی صاحب قبلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تین یوم سے متواتر سرمہ لگانا چھوڑ دیا ہے مگر ناک کے دائیں نتھنے سے جو یکدم پانی ٹپکنے لگا ہے وہ کم نہیں ہوا بلکہ بڑھ گیا ہے تھوڑی دیر بعد ٹپ ٹپ قطرے نیچے پانی کے نکلتے ہیں آنکھوں میں سخت آشوب ہے گیا شدت نزلہ کے وقت آنکھوں کا حال ہوتا ہے دماغ کچھ کھوکھلا کھوکھلا معلوم ہوتا ہے نظر میں نمایاں کمی ہو رہی ہے۔ اگر غذا و دوا تجویز فرماویں تو عنایت ہوگی۔

والسلام

سید محمد اسحاق

۵/۴/۴۲

اس چٹھی کی پشت پر وہ ادویہ اور ہدایات بھی درج ہیں جو حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ نے اپنے قلم سے بیماری کے علاج کے طور پر تجویز فرمائی تھیں۔ احباب کے فائدہ کے لئے وہ بھی درج ہیں:-

" السلام علیکم

خشخاش۔ بادام کی دودھی یعنی حریرہ بنا کر پئیں۔ خالص گھی گاؤ میش میں

تولہ ۲۰

Thru Valerianate Tablets

ایک صبح ایک شام

محنت دماغی سے آرام کریں کچھ دن۔

Seidlitz powder

ایک عدد ہر صبح ایک ہفتہ تک مسلسل۔

ناک میں دن میں چند دفعہ ٹپکائیں Ephedrol ۔

صبح سیر بالکل تازہ اور گرد سے صاف ہوا میں کیا کریں۔ کھانے میں پرہیز کوئی نہیں سوائے ترش اشیاء کے۔ م-ا "

---

(۴)

معلوم ہوتا ہے کہ اسی بیماری کے سلسلہ میں آپ لاہور تشریف لے گئے اور اس کی شدت محسوس کر کے آپ نے لاہور میں ہی ۱۰ رمئی سنہ ۱۹۴۷ء کو ایک **وصیت** لکھی جو بعد میں آپ کے کاغذات میں سے دستیاب ہوئی ہے۔ اس وصیت کا عکس درج ہے:-

(وصیت) الحمدللہ اس وقت میرے ہوش حواس قائم ہیں

اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ

"(وصیت) الحمد للہ اس وقت میرے ہوش و حواس قائم ہیں

اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شریک له واشهد ان محمداً عبده ورسوله

مجھے دلی یقین کے ساتھ زبان سے اس امر کا اقرار ہے کہ اس وقت صرف مذہب اسلام موجب نجات ہے۔ میں چھ ارکان پر ایمان رکھتا ہوں پانچ بنائے اسلام کا قائل ہوں میں سنی ہوں شیعہ یا خوارج میں سے نہیں غیر مقلد ہوں ائمہ اربعہ میں سے کسی کا مقلد نہیں گو چاروں کا خاک پا ہوں۔ اول قرآن پھر تواتر پھر حدیث کو حجت سمجھتا ہوں حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام کے تمام دعاوی پر ایمان رکھتا ہوں مبایع ہوں غیر مبایع نہیں۔ نورالدین کو ابوبکرؓ کا اور موجودہ امام جماعت احمدیہ کو عمرؓ کا مثیل سمجھتا ہوں مجھے یقین ہے کہ ہماری جماعت تبھی صحیح معنوں میں احمدی رہ سکتی ہے جبکہ وہ ایک واجب الاطاعت امام کے ہاتھ پر بیعت کرے خلیفہ وقت کے ماتحت ایک انجمن صرف انتظامی اور مالی معاملات کے لئے ہونی چاہیئے۔ قادیان کو خدا کے رسول کا پایہ تخت اور احمدیت کا ابدی مرکز یقین کرتا ہوں۔ بہشتی مقبرہ کو واقعہ میں بلا تعبیر کسی تاویل کے یقینی بہشتیوں کا مدفن سمجھتا ہوں میں موصی ہوں تمام حساب صاف ہے میرے چھتر روپیہ سپرنٹنڈنٹ احمدیہ ہوسٹل کے پاس جمع ہیں اگر میں یہاں فوت ہو جاؤں میری نعش ضرور اوس پاک مقام پر پہنچا دی جاوے جسے بہشتی مقبرہ کہتے ہیں اور یہی میری واحد خواہش ہے اے اللہ تو میرا انجام بخیر فرما۔

۱۰ ۵/۵　　　　سید محمد اسحاق مسافر لاہور"

نوٹ:۔ اگر میری وفات ربوہ میں ہو جاوے تو حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ اور حضرت ام المومنین [illegible]
[illegible] مجھے [illegible] پہنچا دیں۔

یہ وصیت حضرت میر محمد اسحاق رضی اللہ عنہ کی عظمت، ان کے چٹان کی طرح مضبوط ایمان پر محکم دلیل ہے۔ خلافت اور نظام جماعت سے وابستگی پر زبردست یقین پر شاہد ہے۔ بہشتی مقبرہ کے یقینی بہشتیوں کے دنیا میں آخری مقام ہونے کے متعلق اس وصیت میں ناقابل شکست اعتقاد کا اظہار موجود ہے۔ یہ بات کتنی پیاری ہے کہ حضرت میر صاحبؓ نے اس آخری سفر کی تیاری کے لئے چھتر روپے کس طرح محفوظ کر رکھے تھے۔

ایک نظر اور اس وصیت پر ڈالیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ حضرت میر صاحبؓ جماعت احمدیہ کو دائمی ترقی کے راز یعنی خلافت سے وابستگی کی تو تلقین فرماتے ہیں مگر اپنے اہل و عیال کے بارے میں کسی فکر اور تشویش کا اشارہ تک نہیں کرتے۔ حالانکہ اپنے اہل و عیال سے جو پیار و الفت آپ کو تھی۔ اس میں آپ ایک مثالی نمونہ تھے۔ مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب خدا کے پاس جانے کا تصور سامنے ہوتا ہے تو اس کی ساری امانتیں اس کے سپرد کر کے مردانِ حق خندہ پیشانی سے مسکراتے ہوئے موت کو لبیک کہتے ہیں۔ حضرت میر صاحبؓ کی وصیت اور ان کی وفات کی گھڑی اس کا ایک نمونہ تھی۔ سچ ہے ؎

مردِ مومن کی نشانی کوئی مجھ سے پوچھے　٭　موت جب آئیگی اس پر تو وہ خنداں ہوگا

ہدیۂ عقیدت

(حضرت ثاقب زیروی)

یہ روح کی فریاد ہے افسانہ نہیں ہے

اب تجھ سی کہیں جرأتِ رندانہ نہیں ہے

جھک سکتی ہیں مہر و مہ و انجم کی جبینیں

لب پر وہ مگر نعرۂ مستانہ نہیں ہے

احساسِ زیاں سے کرے تخلیقِ بہارت

یہ کام نہیں اس کا جو دیوانہ نہیں ہے

فائق ہیں کہاں دیر نشیں اہلِ حرم سے

افسوس کہ اب ہمتِ مردانہ نہیں ہے

تُو نے یہ سبق میکدے والوں کو پڑھایا

رندوں کو کبھی حاجتِ پیمانہ نہیں ہے

کوئی انہیں اسحاقؓ کی رُوداد سُنا دے

معلوم جنہیں ہمتِ پروانہ نہیں ہے

تُو مشعلِ ایثار کا تابندہ شرر تھا

تُو ملّتِ احمدؐ کا درخشندہ گہر تھا

سنہ ۱۹۰۶ء مئی

حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ کی شادی پر

(منظوم کلام حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب ایدہ اللہ بنصرہٖ)

میاں اسحٰق کی شادی ہوئی ہے آج اے لوگو!
ہر اک منہ سے یہی آواز آتی ہے مبارک ہو

دعا کرتا ہوں میں بھی ہاتھ اٹھا کر حق تعالیٰ سے
کہ اپنی خاص رحمت سے وہ اس شادی میں برکت دے

خدایا اس بنی پر اور بنے پر فضل کر اپنا
اور انکے دل میں پیدا جوش کر دے دیں کی خدمت کا

کلام پاک کی الفت کا انکے دل میں گھر کر دے
نبیؐ سے ہو محبت اور تعشق ان کو ہو تجھ سے

ہر اک دشمن کے شر سے تو بچا تا اے خدا ان کو
ہمیشہ کے لئے رحمت کا تیری ان پہ سایہ ہو

ہمیشہ کے لئے ان پہ ہوں یا رب برکتیں تیری
دعا کرتا ہوں یہ تجھ سے خدایا سن دعا میری

انہیں صبح و مسا دیں اور دنیا میں ترقی دے
نہ ان کو کوئی چھوٹا سا بھی آزار اور دکھ پہنچے

عطا کر ان کو اپنے فضل سے صحت بھی اے مولیٰ
ہمیشہ ان پہ برسا ابر اپنے فضل و رحمت کا

میں اگلے شعر پہ کرتا ہوں ختم اس نظم کو یارو
اب انکے واسطے تم بھی خدا سے کچھ دعا مانگو

بہت بھایا ہے اے محمود! یہ مصرعہ میرے دل کو
مبارک ہو یہ شادی خانہ آبادی مبارک ہو

(منقول از کلام محمود بحوالہ اخبار بدر ۲۱ر فروری سنہ ۱۹۰۶ء)

سنہ ۱۳۲۳ ہش میں

حضرت میر محمد اسحٰق صاحب رضی اللہ عنہ کی وفات پر

(از مرثیہ جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ لائلپور)

دیدہ و دل باز جوید حضرتِ اسحاق رضؓ را — پیکرِ مہر و وفا سرمایۂ اخلاق را

شیخنا استاذنا جانِ من و جانِ شما — دامنِ دل مے کشد ہر لحظہ ہر آنِ شما

اے دعا با میر صاحب ایں پیامم باز گو — شد جماعت مضطرب از دردِ ہجرانِ شما

جلسۂ سالانۂ ما باز مے آید قریب — عالمے خواہد کہ باشد باز مہمانِ شما

ہست مینارِ بلندش ہمچو درباں منتظر — مسجدِ اقصیٰ بخواہد درسِ قرآنِ شما

تشنہ کامانِ حدیثِ مصطفٰے در مسجد اند — مستفیضانِ شما جویند فیضانِ شما

مدرسہ را باز مطلوب است آں نقد و نظر — آہ! ایں مجموعہ مے بینم پریشانِ شما

بر سرِ ہر احمدی بر دوش ہر خرد و بزرگ — تا قیامت ہست ماند بارِ احسانِ شما

گاہ مے افتد کہ باشد یک تنے چوں صد ہزار — ایں حقیقت شد عیاں از رفعتِ شانِ شما

خاکیٔ نوری بگردد، آدمی گردد ملک — بود ایں رازے نہاں در علم و عرفانِ شما

ما کہ در تا پاکِ غم از ہجرِ تاں افتادہ ایم — در دعا ہا باز مے خواہیم غفرانِ شما

مرگِ عالم را کہ مرگِ عالمے نامیدہ ایم
ما بچشمِ خویشتن ایں ماجرائے دیدہ ایم

محبّت و عقیدت کے چند پھول

(ابو العطاء)

استاذی المحترم حضرت میر محمد اسحاق صاحب رضی اللہ عنہ سے مجھے سالہاسال تک شرفِ تلمذ حاصل رہا۔ مدرسہ احمدیہ میں آخری چھ سال یعنی ۱۹۲۴ء تک قرآن مجید، احادیث، اور علم کلام میں وہ ہمارے استاد تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہمیں نہایت اچھے اور ہمدرد اساتذہ عنایت فرمائے تھے ان میں حضرت میر صاحبؓ کو ایک نمایاں امتیاز حاصل ہے۔ مولوی فاضل پاس کرنے کے بعد جو انتہائی خلوص اور ہمدردی ہمیں اپنے شفیق استاد حضرت حافظ روشن علی صاحب رضی اللہ عنہ میں ملی تھی اسی کی مانند ہمیں مولوی فاضل سے پہلے حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ میں میسر تھی۔ دوسرے بزرگ اساتذہ کے گرانقدر احسانات بھی کبھی فراموش نہیں ہو سکتے۔ جزاھم اللہ خیراً۔

حضرت میر صاحبؓ اپنی فطانت، ذہانت اور قادر الکلامی میں تفوق کے باعث سب طلبہ کے لئے مرجع ہوتے تھے۔ مشکل اور پیچیدہ مسائل کے حل کرنے میں آپ کو خاص قدرت حاصل تھی۔ شاگردوں میں سے ذہین اور ترقی کرنیوالے طالب علم پر آپ کی نظرِ شفقت بھی بہت زیادہ ہوتی تھی۔ آپ وقت کی پابندی میں بھی نمایاں طور پر ممتاز تھے اور پڑھاتے وقت پورے انہماک سے پڑھاتے تھے۔ ایک عجیب وصف اور نادر خوبی آپ میں یہ تھی کہ آپ کو لَا اَدْرِیْ کہنے میں کبھی تامل نہ ہوتا تھا۔ اعلیٰ کلاسوں کے اسباق کے اوقات میں ایک سے زیادہ مرتبہ ایسا ہوا کہ کوئی مغلق عبارت آپ کو مبہم نظر آئی آپ نے اس کے لئے طالب علم کو کتاب دیکر کسی دوسرے استاد کے پاس حل دریافت کرنے کے لئے بھیج دیا۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ آپ سے کوئی مسئلہ پوچھا گیا اور وہ مسئلہ آپ کو مستحضر نہ تھا۔ آپ نے فی الفور فرمایا کہ مجھے اسوقت اس کا جواب نہیں آتا کل یا فلاں وقت جواب دونگا۔ یہ خوبی اس زمانہ میں کبریت احمر کا حکم رکھتی ہے مگر حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ میں یہ خوبی بہت نمایاں تھی اور وہ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ کے مصداق تھے۔ طلبِ علم میں انہیں کبھی عار نہ تھی۔ آخری عمر تک علمی ترقی میں طالبعلمانہ شغف سے مشغول رہے۔

ہمارے ساتھ ہماری طالبعلمی کے زمانہ میں بھی حضرت میر صاحبؓ کا سلوک نہایت کریمانہ تھا اور اسکے بعد بھی ۱۹۲۷ء سے لیکر ۱۹۴۴ء تک سترہ برس تک مختلف حالتوں میں جب بھی ان سے مل کر کام کرنے کا موقعہ ملا حضرت میر صاحبؓ ہمیشہ ہی محبت و رأفت سے پیش آئے اور اتنی ذرہ نوازی اور شفقت کا سلوک کرتے تھے کہ ہمیں حیرت ہوتی تھی۔ آپ نہایت بے نفس انسان تھے۔ ریاء، نمود اور خود پسندی سے کوسوں دور تھے۔ دین کے لئے قربانی و ایثار ان کا شیوہ تھا، ان کی زندگی ان سارے پہلوؤں سے ایک قابلِ رشک اور قابلِ تقلید نمونہ تھی۔ آپ ہمیشہ مدلل اور مختصر بات کرتے تھے۔ چونکہ

سوچ سمجھ کر اور با موقعہ بات کرتے تھے اسلئے اسے حریف آخر کا حکم حاصل ہوتا تھا۔ میں نے ان کے بعض مناظرات بھی سنے ہیں اور اکثر دفعہ ان کی صدارت میں خود بھی مناظرات اور تقاریر کی ہیں وہ ہر موقعہ پر لاجواب بات کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک سناتنی پنڈت سے مناظرہ تھا۔ اس پنڈت نے پہلی تقریر سنسکرت اور ملی جلی ہندی میں کی۔ ہم حیران تھے کہ اب کیا ہوگا۔ حضرت میر صاحبؓ سارا وقت خاموشی سے تقریر سنتے رہے اور جب آپ کا وقت شروع ہوا تو کھڑے ہو کر نہایت متانت سے عربی میں تقریر شروع فرما دی۔ سارے ہندو اور آریہ منہ تک رہے تھے۔ ان کے صدر نے کہا کہ حضرت آپ کی تقریر کو ہم نہیں سمجھ سکتے۔ آپ نے فرمایا ونحن کذالک۔ آخر قرار پایا کہ اردو میں تقاریر ہوں چنانچہ آرام سے نہایت کامیاب مناظرہ ہوا۔ حضرت میر صاحبؓ کا یہ اقدام نہایت ہی پر لطف تھا۔

ہم نے دوران تعلیم حضرت میر صاحبؓ کی نادر ذہانت کے صدہا نمونے دیکھے ہیں۔ آزادانہ سوال و جواب کا موقعہ ہوتا تھا۔ ہماری مشق کے لئے آپ بسا اوقات ایسے اعتراضات بھی کرتے جن کا جواب ہم سے بن نہ آتا تو آپ پھر خود انکو بہترین طریق پر حل فرماتے۔ آپ کو اپنی دلیل پر بڑا اعتماد ہوتا تھا۔ دشمنوں سے اس بارے میں آپ نے بارہا خراجِ تحسین حاصل کیا ہے۔ پادریوں، پنڈتوں اور مخالف مولویوں سب سے آپ کے کامیاب مناظرات ہوئے۔

وقت کی قدر شناسی میں آپ بہت آگے تھے۔ ہر کام میں پابندیٔ اوقات کے خواہاں تھے۔ مجھے یاد ہے کہ جب ۱۹۳۶ء میں مخرجین کے خلاف ایک تقریر کی وجہ سے جو حضرت میر صاحبؓ کی صدارت میں ہوئی تھی مجھ پر اور حضرت میر صاحبؓ اور دیگر چند بزرگوں پر دفعہ ۱۰۷ کا مقدمہ ہوا اور ہم سارے اکٹھے بٹالہ وغیرہ جایا کرتے تھے۔ ایک دن وہاں پر جاری مجلس میں یہ گفتگو چل پڑی کہ مسجد اقصیٰ میں پابندیٔ وقت کے ساتھ نماز کھڑی ہو جانے کے باعث لوگ مسجد مبارک کی نسبت وہاں زیادہ جاتے ہیں۔ حضرت میر صاحبؓ پُر زور طور پر اس کی وکالت کر رہے تھے کہ نمازوں کے اوقات مقرر ہونے چاہئیں اور ان کی پوری پابندی کرنی چاہیئے۔ میں ان دنوں محلہ دارالرحمت قادیان کا صدر تھا اور حضرت صوفی غلام محمد صاحبؓ مرحوم مبلغ ماریشس محلہ دارالرحمت میں امام الصلوٰۃ تھے۔ میں نے گونہ فخر سے کہا کہ حضرت! ہم نے اپنے محلہ میں بڑا عمدہ انتظام کر رکھا ہے کہ اگر مقررہ وقت کے بعد پانچ منٹ تک مقررہ امام تشریف نہ لائیں تو دوسرا شخص نماز پڑھا دیتا ہے۔ حضرت میر صاحبؓ نے بڑی حیرت اور تعجب کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ مولوی صاحب! آپ نے یہ کیا کیا ہے آج کے زمانہ میں پانچ منٹ بڑی چیز ہیں نماز ہمیشہ وقت پر ہونی چاہیئے۔ اسوقت تو میں نے یہی سمجھا تھا کہ یہ بہت تشدد ہے مگر حضرت میر صاحبؓ کی وقت کی قدر شناسی کا اندازہ بعد کے حالات سے ہوا ہے۔

حضرت میر صاحبؓ کو غرباء، یتامیٰ اور محتاجوں سے بہت اُنس و پیار تھا۔ عملی زندگی کے ہر پہلو سے اس جذبہ کا پھوٹ پھوٹ کر اظہار ہوتا تھا۔ دارالشیوخ تو اس کی ایک نمایاں اور منہ بولتی تصویر تھی مگر اسکے علاوہ بھی اسکے متعدد پہلو تھے جن میں سے بعض کا تذکرہ اس خاص نمبر کے مختلف مضامین میں موجود ہے۔

حضرت میر صاحبؓ کے توکل علی اللہ کی بے شمار مثالیں ہیں۔ انکی ساری زندگی ہی متوکلانہ تھی۔ میں کبھی اس بات کو بھول نہیں سکتا کہ جب ۱۹۲۷ء میں فتنہ مستریاں زوروں پر تھا تو ان لوگوں نے ایک دو ناروا باتیں حضرت میر صاحبؓ کے متعلق بھی شائع کیں۔ میں نے جوش غیرت میں حضرت میر صاحبؓ کے پاس جاکر ان باتوں کیلئے تردیدی بیان کی ضرورت ظاہر کی تا اسے شائع کردیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ بہت اچھا میں کل جواب لکھ دونگا۔ دوسرے دن جبکہ آپ ابھی جامعہ احمدیہ سے واپس آ رہے تھے میں گھر کے قریب مل گیا۔ فرمانے لگے میں ابھی اندر سے لکھ کر لاتا ہوں۔ میرا خیال تھا کہ لمبا چوڑا بیان ہوگا مگر چند منٹ کے بعد آپ باہر آئے اور مجھے ایک کاغذ دیکر فرمایا کہ میرا یہی جواب ہے۔ اس پر صرف یہ آیت تحریر تھی "وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْۤ اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ"۔ نیچے دستخط تھے اور تاریخ درج تھی۔ مجھے اس زمانہ کے جوش جوانی کے ماتحت اس پر تعجب ہوا مگر جب غور کیا تو اس سے بہتر جواب نہ تھا اور فی الواقع ثابت ہوگیا کہ جس طرح انہوں نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا تھا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے خود معاندین کو جواب دیا تھا۔

حضرت میر صاحبؓ کی زندگی میں ایک نمایاں امتیاز یہ تھا کہ جس بات کو آپ صحیح اور درست سمجھتے تھے اسے ہر موقعہ پر اور ہر قیمت پر کہتے تھے اور اس بارے میں انہوں نے تکلیف اٹھا کر بھی کلمۂ حق کہنے کی متعدد مثالیں قائم کی ہیں۔ یہ صرف سلف صالحین اور علماء ربانی کا شیوہ ہے۔ آپ اسی حق گوئی کا سبق اپنے شاگردوں کو بھی دیتے تھے۔ حضرت میر صاحبؓ اس جرأت و بیباکانہ حق گوئی کے ساتھ ساتھ ہر شخص کا ادب و احترام بھی اس کے مقام و مرتبہ کے لحاظ سے ہمیشہ مدنظر رکھتے تھے۔

دین کی خدمت ان کا دن رات کا دلپسند مشغلہ تھا۔ اس میں بیماری اور ضعف بھی کبھی آپکے سدراہ نہیں ہوئے۔ ۱۹۵۳ء کے محرجین کے فتنہ میں آپ نے جس دلیرانہ ہمت اور جانفشانی سے کام کیا تھا وہ ہمیشہ تعریف سے یاد کیا جائیگا۔ سلسلہ کی تاریخ میں حضرت میر محمد اسحاقؓ ایک زندہ جاوید شخصیت ہیں۔ انکے شاگردوں کے ذریعہ بہت لمبے عرصہ تک خدمت دین کا ثواب ان کے نامۂ اعمال میں بھی درج ہوتا رہے گا۔

حضرت میر صاحبؓ کا درس حدیث ایک خاص رنگ رکھتا تھا جس سے ساری جماعت روحانی غذا حاصل کرتی تھی۔ اس درس کی ایک بات جس کو سن کر بارہا آنکھیں اشکبار ہو جاتی تھیں اور دل سہم جاتے تھے وہ یہ تھی کہ حضرت میر صاحبؓ باوجودیکہ آپ سادات کے معروف خاندان کے ایک نمایاں فرد تھے، آپکے خاندان کے ایک بزرگ خواجہ محمد ناصر صاحبؒ کو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے رؤیا میں یہ بھی فرمایا تھا کہ:۔

"نانا جان (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے خاص اسلئے تیرے پاس بھیجا تھا کہ میں تجھے معرفت اور ولایت سے مالامال کروں۔ یہ ایک خاص نعمت تھی جو خانوادہ نبوت نے تیرے واسطے محفوظ رکھی تھی۔ اس کی ابتدا تجھ پر ہوئی ہے اور انجام اس کا مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہوگا۔" (رسالہ "نالۂ درد" ص ۲۶ مطبوعہ جید برقی پریس دہلی مصنفہ خواجہ سید ناصر نذیر صاحب فراق دہلوی)

حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کو اس نعمت کا ابتدا بھی حاصل ہوا اور حضرت امام مہدی علیہ السلام کا حصہ بھی ملا تھا مگر اس عظمت اور بزرگی کے باوجود آپ پورے زور اور پوری قوت بیانیہ سے نسلی تفاخر کے خلاف وعظ فرمایا کرتے تھے اور قومیت و نسل کے مروجہ امتیازات کے ایسے

دشمن تھے کیونکہ میں نے عمر بھر کسی شخص کو اس جرأت سے اس ہمہ گیر مرض کے خلاف جہاد کرتے نہیں دیکھا۔ سب لوگ جانتے ہیں کہ ہم آدم کی اولاد ہیں اور انسانیت میں یکساں اور مساوی ہیں مگر احترام آدمیت کا جو جذبہ حضرت میر صاحبؓ کے رُوئیں رُوئیں سے عیاں تھا۔ بالخصوص جب آپ درس دیتے تھے اور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث لَوْ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا ایسی حدیث آپکی موضوعِ گفتگو ہوتی تھی۔ آج بھی آپکی زبردست تقاریر کانوں میں گونجتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ اللّٰھم آمین

باتیں تو بے شمار ہیں اور اس چمن میں پھولوں کی بھی کمی نہیں مگر دامنِ مجلس تنگ ہے اسلئے آئیے اب آخر میں اس آخری جلسہ کا مختصراً تذکرہ کرلیں جو آپ کی وفات سے صرف دس روز پہلے ۸ مارچ ۱۹۴۴ء کی درمیانی رات کو آپکی صدارت میں ہوا تھا۔ مدیر الفضل لکھتے ہیں:۔

۱۔ "اس اثناء میں آریوں کی طرف سے پنڈت ترلوک چند صاحب چند ساتھیوں سمیت مسجد اقصیٰ میں آگئے۔ حضرت میر صاحبؓ نے انہیں اپنے پاس بلاکر کرسیوں پر بٹھایا اور فرمایا کہ آپ صاحبان اس مجلس میں ہمارے مہمان ہیں ہم ان کا ہر طرح سے لحاظ رکھیں گے۔ اول وقت پہلے ہماری طرف سے مولوی ابوالعطاء صاحب تقریر کریں گے اور مناسب وقت میں پیشگوئی کی وضاحت کرتے ہوئے آریہ پنڈت صاحب کے اعتراضوں کے جواب بھی دینگے۔ اس تقریر کے بعد پنڈت ترلوک چند صاحب اس تقریر یا پیشگوئی دربارہ پنڈت لیکھرام پر مناسب وقت میں سوالات کریں گے پھر مولوی صاحب جواب دینگے اور جلسہ ختم ہوگا۔" (الفضل ۱۱ مارچ ۱۹۴۴ء)

۲۔ "آخر میں مولوی صاحب (ابوالعطاء) نے قادیان کے آریوں اور دوسرے غیر احمدیوں کو مخاطب کرکے ایک پُردرد اپیل کی کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نشانوں کے گواہ ہیں آپؑ پر ایمان لائیں۔"

میری ابتدائی تقریر، پنڈت ترلوک چند صاحب کے سوال اور پھر میری جوابی تقریر کی رپورٹ کے بعد الفضل میں درج ہے کہ:۔

"اسکے بعد حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ نے کھڑے ہو کر فرمایا۔ سب حاضرین نے دونوں طرف کی تقاریر سن لی ہیں۔ میں پنڈت ترلوک چند صاحب سے کہتا ہوں کہ آپ اپنے مذہب کے عالم ہیں مولوی ابوالعطاء صاحب بھی موجود ہیں۔ پنڈت صاحب آئی طور پر یہ کہ آئی طور پر مولوی صاحب سے پنڈت لیکھرام کے متعلق پیشگوئی پر تبادلہ خیال کرلیں ہم سب سنیں گے۔ جو شرطیں پنڈت صاحب پیش کرینگے میں انکے منوانے کا ذمہ دار ہوں۔ اس پر آپنے پنڈت صاحب کو موقعہ دیا کہ وہ سوال کریں لیکن پنڈت صاحب نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ نہیں کیا اسلئے معذور ہوں۔" (الفضل ۱۹ مارچ ۱۹۴۴ء)

اسکے بعد آریہ صاحبان بالکل لاچار ہو کر مجلس سے چلے گئے اور حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کی صدارت میں یہ آخری جلسہ بخیر وخوبی ختم ہوا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارے بزرگ اور مہربان استاد، اسلام و احمدیت کے غیور جرنیل، غریبوں یتیموں اور محتاجوں کے شفیق دستگیر کے درجات کو بلند فرمائے اور ہمیشہ ہمیش ان پر اپنے فضلوں کی بارشیں نازل کرتا رہے اور ان کے شاگردوں اور ان کی ساری اولاد کو بھی اسلام کی سچی اور مقبول خدمت کی توفیق بخشے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔

حضرت میر صاحبؓ کا بے مثال جذبہ مہمان نوازی

(از جناب منشی عبد الخالق صاحب سابق مہتمم لنگر خانہ قادیان)

مَیں حضرت میر صاحب مرحومؓ کے ماتحت کچھ عرصہ بطور مہتمم مہمانخانہ ولنگر خانہ رہا ہوں۔ آپ کے اخلاق، شفقت، مہمان نوازی، غرباء پروری کا خاص اثر میرے دل پر ہے۔

حضرت میر صاحب مرحومؓ کو مہمان نوازی کی ایک تڑپ رہتی تھی۔ غرباء سے لے کر امراء تک کو شکایت کا موقعہ کھانے اور رہائش کے متعلق کبھی نہیں آنے دیتے تھے۔ ایک دفعہ مشاورت کے موقعہ پر ظہر کے قریب مجھے فرمایا کہ منشی صاحب! مَیں مشاورت پر جا رہا ہوں آپ مہمانوں کے لئے پلاؤ زردہ پکوا لینا۔ مَیں نے عرض کی بہت اچھا۔ آپ بورڈنگ مدرسہ احمدیہ سے ہی جہاں مہمانوں کے کھانے کا انتظام تھا تانگہ پر سوار ہو کر ہائی سکول مشاورت پر چلے گئے۔ مَیں نے اپنے اندازہ کے مطابق پلاؤ، زردہ، گوشت اور خمیری روٹیاں پکوائیں۔ مشاورت ختم ہونے پر مغرب کے بعد حضرت میر صاحبؓ تشریف لائے۔ ایک کمرہ میں کھانا تیار رکھا تھا دوسرے کمرہ میں کھانے کا انتظام تھا۔ مجھے فرمایا منشی صاحب! کتنا کتنا پلاؤ زردہ پکوایا ہے؟ مَیں نے عرض کی اس اس مقدار میں۔ فرمایا کہ منشی صاحب بہت زیادہ آپ نے پکوا لیا ہے۔ مَیں نے عرض کی کہ تھوڑا ہے۔ پھر فرمایا کہ بہت زیادہ ہے۔ مَیں نے پھر عرض کی کہ حضرت بہت تھوڑا ہے۔ مگر مشفقانہ انداز میں گفتگو تھی۔ فرمایا کہ مَیں کھانے کے پاس بیٹھ کر کھانے کے کمرہ میں بھیجتا جاتا ہوں۔ آپ نگرانی کریں جو چیز کم ہو وا کرے منگوا لیا کریں۔ مَیں نے تعمیلِ حکم کی۔ ابھی مہمان پلیٹوں سے آخری کھانا کھا رہے تھے کہ پلاؤ زردہ ختم ہو گیا۔ آٹھ دس مہمان کوئی ڈپٹی، کوئی جج، وکلاء اور معززین پھرتے پھراتے بہت دیر بعد تشریف لائے اور مہمانوں کو کھانا کھاتے دیکھ کر کہنے لگے منشی صاحب پلاؤ منگواؤ بھوک لگی ہوئی ہے۔ مَیں حضرت میر صاحب مرحومؓ کے پاس گیا۔ انہوں نے سن لیا تھا کہ مہمان آکر کھانا مانگ رہے ہیں۔ کھانا ختم ہو چکا تھا۔ حضرت میر صاحبؓ نے فرمایا کہ منشی صاحب مَیں تو دوسرے دروازے سے گھر کو چلا جاتا ہوں آپ جانیں اور آپ کا کام۔ یہ کہہ کر آپ آہستہ سے چلے گئے تاکہ مہمانوں کو خبر نہ ہو۔ مَیں نے جھٹ پٹ دہی اور شامی کباب بازار سے منگوائے اور معذرت کے ساتھ کہ میرا اندازہ چاول پکوانے میں غلط نکلا خمیری تازہ روٹی اور دہی کباب حاضر ہیں۔ مہمانوں نے کہا یہ بہت اچھا ہے۔ کھانا کھلانے کے بعد مجھے حضرت میر صاحب مرحومؓ نے بلوایا اور فرمایا منشی صاحب! کیا ہوا؟ مَیں نے سو واقعہ عرض کر دیا۔ آپ بہت خوش ہوئے۔ آپ کو مہمانوں کی خوشی پر بہت خوشی ہوتی تھی۔

حضرت میر محمد اسحاق صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیک تاثیرات

(از جناب مرزا عبد الحق صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ سرگودھا)

تقسیم ملک سے پہلے میں نے اکیس سال وکالت گورداسپور میں کی۔ میرا معمول تھا کہ میں ہر ہفتے قادیان چلا جاتا تھا اور اتوار وہاں گزارتا تھا۔ قادیان میں میرا قیام عام طور پر مہمان خانہ میں ہوتا تھا۔ میرے لئے ایک دو کمرے ریزرو رکھ لئے جاتے جہاں میرا سامان پڑا رہتا۔ مہمان خانہ کے انچارج حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ ہوتے تھے۔ اس طرح مجھے آپ سے ایک لمبا عرصہ واسطہ پڑا اور مجھے آپ کے اخلاق زیادہ قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔

آپ کو خدا تعالیٰ نے بڑا فراخ دل بخشا تھا۔ مہمان کے ساتھ نہایت شفقت اور دلداری کا سلوک فرماتے اور اس کی ضروریات کا پورا خیال رکھتے۔ نئے مہمان خانہ میں کمروں کے تین سیٹ تھے۔ سب سے آخری سیٹ میں حضرت میر صاحب خود رہتے تھے اس کے ساتھ والے سیٹ میں میں ٹھہرتا تھا اور تیسرا سیٹ دیگر معزز مہمانوں کے لئے رہتا تھا۔ سردیوں کے موسم میں گاڑی قادیان میں رات کو دیر سے پہنچتی تھی۔ میں نے جاکر اپنے کمروں کا قفل کھولنا اور دیا جلانا تو حضرت میر صاحب کو میرے پہنچنے کا علم ہو جاتا۔ آپ فوراً ملازموں کو آواز دیتے اور فرماتے کہ چائے اور کھانے وغیرہ کا جلد انتظام کرو۔ بعض دفعہ چائے اپنے گھر سے بھیج دیتے تاکہ مہمان خانہ سے آنے میں دیر نہ ہو جائے۔ اور سردی میں تکلیف نہ ہو۔ تھوڑی دیر بعد کھانا آجاتا۔ میں ہمیشہ یوں محسوس کرتا کہ گویا اپنے گھر میں آیا ہوں جہاں ہر قسم کا آرام حاصل ہے۔ ایک دفعہ میں بارش میں پہنچا حضرت میر صاحب نے اسی وقت چادر اور سلیپر نوکر کے ہاتھ بھیجے تاکہ اگر میرے کپڑے بھیگ گئے ہوں تو بدل لوں۔ آپ کی فکرمندی اور توجہ کا میرے دل پر ہمیشہ اثر ہوتا۔ میں ہمیشہ جانے والا مہمان تھا اور ایسا مہمان بار خاطر بھی ہو جاتا ہے یا کم از کم ہر نوزیادہ توجہ کا مستحق نہیں رہتا۔ لیکن اس بزرگ انسان میں میں نے کبھی تنگی محسوس نہ کی۔ ہمیشہ وہی مسکراہٹ اور وہی توجہ اور وہی شفقت۔ جب بھی میں کسی ضرورت کے متعلق اطلاع بھیجتا فوراً اس کی طرف توجہ کرتے اور پورا کرنے کا انتظام فرماتے۔ جلسہ سالانہ کے دنوں میں افسر جلسہ ہونے کی وجہ سے آپ کو انتہائی مصروفیت ہوتی پھر بھی میرے جیسے مستقل آنے والے مہمانوں کا پورا خیال رکھتے اور کام کاج کے لئے الگ نوکر بھجواتے اور مناسب حال کھانے کا انتظام فرماتے۔ میں نے اگر ملازم کو ایک بار آواز دی اور وہ حضرت میر صاحب نے سُن لی تو آپ خود تین بار آوازیں دیتے تاکہ اس سے کوئی غفلت نہ ہو جائے۔ میں نے مہمانوں کی عزت کرنے والے اور اُن کے جذبات کا اس حد تک خیال رکھنے والے بہت ہی کم

انسان دیکھے ہیں۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے نہایت درجہ ذہانت بخشی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ آپ کی طبیعت اور لباس میں سادگی بھی بے حد تھی۔ طبیعت میں کوئی تکلف نہ تھا۔ لباس کا یہ حال تھا کہ بہت دفعہ پیوند لگے ہوئے بھی دیکھے۔ ایسے لباس میں بھی مہمان خانہ میں بیٹھتے تو کوہِ وقار معلوم دیتے۔ آپ کی بزرگی اور آپ سے محبت کی وجہ سے اگر کوئی شخص آپ کی خدمت میں کوئی نذرانہ پیش کرتا تو آپ اسے قبول نہ فرماتے۔ آخر عمر تک معمولی گزارہ پر خدمتِ سلسلہ کرتے رہے۔ آپ کے چہرہ سے دنیوی اموال و املاک سے کامل استغناء نظر آتا۔ صدر انجمن احمدیہ نے آپ کی بیش قیمت خدمات کی وجہ سے آپ کے لئے ایک مکان تعمیر کروایا لیکن آپ نے مہمان خانہ میں درویشی کو ہی پسند فرمایا اور اس مکان میں نہ گئے۔

آپ ماشاء اللہ ایک جیّد عالم تھے۔ حدیث آپ کا خاص مضمون تھا۔ حدیث کا درس مسجد اقصیٰ میں دیتے رہے۔ کوئی آنکھ نہ ہوتی جو آنسو نہ بہاتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک مجلس کا نقشہ ایسا کھینچتے کہ گویا سننے والا اس میں شریک ہو جاتا۔ آپ کی طبیعت میں رقت تھی۔ آخر عمر میں یہ رقت بہت بڑھ گئی اور آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے وقت اپنے اوپر ضبط نہ کر سکتے اور آواز فوراً بدل جاتی اور بعض دفعہ آنسو بھی رواں ہو جاتے۔ مجھے بعض دفعہ آپ کے ان درسوں میں شامل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ میں انہیں کبھی بھول نہیں سکتا۔

شروع شروع میں آپ نے بعض مخالف علماء کے ساتھ مناظرے بھی کئے۔ آپ بہت حاضر جواب تھے اور مخالف کو بالکل گھیر کر چپ کرا دیتے۔ تقریر میں کمال برجستگی ہوتی۔ کوئی غیر ضروری اور زائد فقرات آپ کی زبان سے نہ نکلتے۔ دلائل نہایت مضبوط دیتے۔ بار بار ایک بات کا تجزیہ بھی نہایت عمدگی سے کرتے۔ آپ نے چند ایک کتابیں بھی تصنیف کیں۔ ان میں بھی یہی رنگ نظر آتا ہے۔

تقویٰ کا بھی آپ میں خاص رنگ تھا۔ قادیان سے قریب موضع بھامڑی میں ہمارا جلسہ ہوا۔ اس میں حضرت میر صاحب بھی تشریف لے گئے۔ اور علماء بھی گئے۔ معاندین نے فساد کر دیا اور بعد میں ہمارے بزرگوں کے خلاف پولیس میں جھوٹی رپورٹ بھی دے دی۔ جس پر ہمارے بعض معززین کے خلاف مقدمہ چلایا گیا۔ انہی میں حضرت میر صاحب بھی تھے۔ چوہدری محمد اسحاق صاحب ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداسپور نے اس مقدمہ کی سماعت کی۔ شہادتِ استغاثہ کے ختم ہونے کے بعد ہماری طرف سے شہادت صفائی پیش ہوئی۔ محترم خان صاحب مولوی فرزند علی صاحب مرحوم ہمارے گواہ صفائی تھے۔ آپ نے اپنے بیان میں حضرت میر صاحب کے متعلق فرمایا کہ آپ ایک نہایت معزز سید خاندان سے ہیں۔ عالم قرآن و حدیث ہیں۔ اور بعض اور وجاہت کے پہلو بھی بیان فرمائے۔ حضرت میر صاحب اس وقت میرے پاس ہی کرسی پر بیٹھے تھے۔ باوجود ملزم ہونے کے عدالت آپ کو ہمیشہ کرسی دیتی تھی۔ جب محترم خان صاحب مرحوم یہ بیان دے رہے تھے تو حضرت میر صاحب کے آنسو رواں ہو گئے۔ آپ نے رومال نکال کر اپنی آنکھوں پر رکھ لیا

اور آہستہ سے نہایت رقت سے مجھے فرمانے لگے۔ مرزا صاحب! ان چیزوں سے انسان بخشا نہیں جاتا مومن اللہ تعالیٰ کے فضل سے بخشا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے۔ آپ کے الفاظ تو مجھے پورے طور پر یاد نہیں لیکن ان کا مفہوم وہی ہے جو میں نے لکھا ہے۔ آپ کی آواز میں خاص درد انگیز رقت تھی اور آپ کے آنسو بہہ رہے تھے۔

اسی کیس میں جس روز آپ کا بیان ہوا آپ میرے پاس ہی میرے مکان پر ٹھہرے ہوئے تھے مجھے اندر سے بلا کر اپنے ساتھ چارپائی پر بٹھا لیا اور بڑی رقت کے ساتھ فرمانے لگے کہ مجھ سے کوئی نادانستہ غلط بیانی تو نہیں ہو گئی۔ میں نے تسلی دی لیکن آپ کے آنسو بہنے لگ گئے اور آپ فرماتے رہے یا اللہ! اگر کوئی غلطی ہو گئی ہو تو مجھے معاف فرما۔ آپ کا بیان واقعات کے بالکل مطابق تھا لیکن تقویٰ کا یہ حال تھا کہ ہر حال میں خدا سے ڈرتے۔

اس مقدمہ میں چودھری محمد اسحاق صاحب نے ہمارے سب ملزموں کو بری کر دیا تھا۔

آپ کے تقویٰ اور ایثار کا ایک اور واقعہ یاد آیا۔ آپ کی وفات سے ایک دو سال پہلے کلانور ضلع گورداسپور میں ہمارا جلسہ ہوا۔ اس میں حضرت میر صاحب بھی تشریف لے گئے۔ میں کچہری میں کام کی وجہ سے آپ سے ایک روز بعد وہاں پہنچا۔ آپ میرے ایک دوست سید محمد صادق صاحب ہاشمی کے مکان کے ایک کمرہ میں قیام فرما تھے۔ ایک پلنگ آپ کے لئے وہاں بچھایا گیا تھا۔ میں شام کو پہنچا تو آپ اس وقت پلنگ پر تشریف فرما تھے اور کچھ دوست آپ کے پاس بیٹھے تھے مجھے دیکھ کر آپ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور مجھے فرمانے لگے آپ اس کمرہ میں ٹھہریں میں مسجد میں سوؤں گا۔ میں نے سارا زور لگایا کہ آپ ایسا نہ کریں لیکن حضرت میر صاحب مسجد میں تشریف لے گئے اور وہیں فرش پر سوئے۔

وفات کے وقت آپ کی عمر صرف سینتالیس سال تھی۔ یہ عاجز بھی گورداسپور سے جا کر آپ کے جنازہ میں شریک ہوا۔ اس روز غم کی عجیب شدت تھی۔ اللہ تعالیٰ اس وجود پر اور اس کی اولاد پر ہزاروں ہزار برکتیں نازل فرمائے۔ اللّٰھم آمین ÷

ایک روحانی عالم باعمل انسان کے اقوال و اعمال کی ایک جھلک

(جناب مولوی محمد حفیظ صاحب فاضل بقاپوری۔ ایڈیٹر بدر قادیان)

---

۱۷ مارچ ۱۹۴۳ء کی شام کسی صورت میں بھلائی نہیں جا سکتی جبکہ آسمانِ احمدیت کا ایک درخشندہ ستارہ

غروب ہوگیا اور ہم لوگ ایک نہایت ہی بلند پایہ شخصیت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

حضرت میر محمد اسحٰق صاحب رضی اللہ عنہ قادیان کی چند رُوح رواں ہستیوں میں سے ایک محبوب ہستی تھے غریبوں کے غمگسار، محتاجوں، یتیموں، بےکسوں کی پناہ اور اُن کے لئے بہترین سہارا، متقی، پرہیزگار، مشفق، مربی، مہمان نواز، کامیاب مناظر، فصیح البیان مقرر، قوم کے سچے خیرخواہ، اعلیٰ درجہ کے منتظم، متواضع، سادہ اور غریب مزاج، با اخلاق و بامذاق، پُر وقار و پُر رُعب رفتار و گفتار کے مالک، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق، حدیث شریف کے متبحر عالم اور پھر عالم باعمل انسان ـــــــ!! غرضیکہ حضرت میر صاحب مرحوم رضی اللہ عنہ اسلام و احمدیت کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔

اگرچہ اس عاجز کو زمانۂ طالب علمی ہی میں مختلف مواقع پر آپؓ کے احسانات سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع ملا مگر ۱۹۳۷ء میں جب آپ مدرسہ احمدیہ میں بطور ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے اور اس عاجز کو ۱۹۳۹ء میں مولوی فاضل پاس کر لینے کے بعد اگلے ہی سال آپ ہی کے زیر سایہ مدرسہ احمدیہ میں تعلیم دینے کی خدمت بجا لانے کی سعادت حاصل ہوئی تو آپ کو زیادہ قریب سے مطالعہ کرنے اور براہ راست آپ کے احسانات کے زیر نگیں ہونے کا موقع ملا۔ مجھے ۱۹۴۰ء کا جمعہ کا مبارک دن بخوبی یاد ہے جبکہ گیارہ بجے کے قریب یہ عاجز مسجد مبارک کے نیچے سے گزر کر احمدیہ چوک کی طرف جا رہا تھا حضرت میر صاحب نے جو مسجد مبارک کے سامنے بازار ہی میں جنوب مشرق کی طرف کھڑے تھے اس عاجز کو دیکھ کر یاد فرمایا۔ میں نے سُنا نہیں اور آگے نکل گیا۔ ایک آدمی کو پیچھے بلانے کے لئے بھیجا۔ جلد لوٹا، معذرت کی اور مجسم سوال بن کر کھڑا ہوگیا۔ فرمایا ـــــ "آجکل کیا کام کرتے ہیں؟" عرض کیا "فارغ ہوں"۔ فرمایا "اگر کوئی کام بتایا جائے تو کریں گے؟" عرض کیا "حکم کی بجا آوری میرے لئے عین سعادت ہوگی"۔ فرمایا "اچھا پھر کل سکول آجائیں!!" جرأت کر کے عرض کیا "حضرت کام کس قسم کا ہوگا؟" فرمایا "یہی پڑھانے کا"۔

چنانچہ اگلے روز مورخہ ۹ ۱۹۴۰ء مدرسہ احمدیہ پہنچ گیا۔ از راہ نوازش سکول میں پڑھانے کا ٹائم ٹیبل دیا اور اللہ کا نام لیکر اس عاجز نے یہ کام شروع کر دیا!! بس یہ تھا میرا مدرسہ احمدیہ میں پہلا تقرر جس کے لئے درخواست تک دینے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ میرے محسن نے خود ہی یاد فرمایا اور یہ خدمت سپرد کی!! ـــــ اس کے بعد آپ کی شفقتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ وقتاً فوقتاً ایسا فرماتے کہ جس کلاس میں یہ عاجز پڑھا رہا ہوتا اُس کلاس میں تشریف لے آتے۔ خود کرسی پر بیٹھ جاتے اور یہ عاجز پڑھاتا رہتا۔ اسی طرح عملی طور پر تربیت اور اس عاجز کی حوصلہ افزائی فرماتے۔!!

ــــــــــ :(۲): ــــــــــ

مدرسہ احمدیہ میں تقرری کے بعد دوسرے تعلیمی سال کے آغاز ہی میں سب کلاسوں کو عربی صرف و نحو کا مضمون پڑھانے کے لئے اس عاجز کو حکم دیا۔ یہ ایام دوسری جنگ عظیم کے تھے۔ صرف و نحو کی جو مصری کتابیں مدرسہ احمدیہ میں

بطور نصاب مقرر تھیں ان دنوں ہندوستان میں نایاب تھیں۔ حکم دیا کہ ان کا اردو ترجمہ کریں ہم شائع کردیں گے چنانچہ اس عاجز نے پہلے دروس النحویہ حصہ دوم کا ترجمہ کیا جسے آپ کے حکم اور خرچ سے القواعد الکلیہ کے نام سے شائع کیا گیا۔ اور دروس النحویہ حصہ چہارم کا ترجمہ کرکے الفرائد الغالیہ حصہ اوّل اور دوم کے نام سے ۷۵ - ۷۵ صفحہ کے دو رسالے شائع کئے گئے۔ ان ہر دو کتب کے تراجم کے سلسلہ میں مشکل مقامات کی تشریح و توضیح کے لئے جب بھی حاضر ہوا بڑی محبت اور عمدہ پیرایہ میں نحوی مسائل کی وضاحت فرمائی۔ اس طرح مدرسہ کے طلباء کے لئے کتاب کی نایابی کی دقت بھی رفع ہوگئی اور اس عاجز کو بھی ایک علمی خدمت بجالانے کا موقع بہم پہنچا دیا۔ !!

:(۳):

آپؓ ایک جید عالم ہونے کے ساتھ اعلیٰ درجہ کے منتظم بھی تھے۔ آپ کو ڈسپلن کا بڑا خیال رہتا تھا۔ ہائی سکول میں طلبہ کی خاص نگرانی فرماتے۔ لڑکوں کو تعلیم، مطالعہ اور ورزش کے اوقات سے کما حقہٗ فائدہ اٹھانے کی تلقین فرماتے۔ یہ عاجز بورڈنگ مدرسہ احمدیہ میں مقیم چھوٹی عمر کے لڑکوں کا ٹیوٹر تھا جن کا نسبتاً زیادہ خیال رکھتے۔ بسا اوقات اس عاجز کو اپنے پاس بلا کر بچوں کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں خاص ہدایات سے نوازتے اور بہتر طور پر تربیت کے متعدد طریقوں کی راہنمائی فرماتے۔ اس بات کی ہمیشہ تاکید فرماتے کہ بچے کسی وقت بھی فارغ نہ رہیں اور بورڈنگ میں ہر وقت ٹیوٹر کی براہِ راست نگرانی میں سب کام کریں۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے رمضان شریف کے دن تھے، لڑکے شام کے کھانے سے فارغ ہو چکے تھے۔ ابھی عشاء کی اذان نہیں ہوئی تھی۔ تھوڑا فراغت کا وقت پاکر لڑکے کھیلنے کودنے لگے اور کچھ شور بھی ہوا۔ فوراً اس عاجز کو مہمانخانہ میں طلب فرمایا۔ میرے حاضر ہونے پر حکم دیا کہ کھانا کھا لینے کے بعد عشاء کی نماز تک جو فارغ وقت ہوتا ہے اس میں سب بچوں کو ایک کمرہ میں جمع کرکے اخبار الفضل کے آخر میں جو "ہندوستان اور ممالک غیر کی خبریں" روزانہ شائع ہوتی ہیں وہ بچوں سے پڑھایا جایا کریں۔ چنانچہ اس ہدایت پر دیر تک عمل ہوتا رہا۔

:(۴):

مدرسہ احمدیہ کے طلبہ کی عام تعلیمی ترقی کے ساتھ آپؓ کو اس بات کا بڑا خیال رہتا تھا کہ اس درسگاہ کے تمام طالبعلم عمدگی سے تقریر کرنا بھی سیکھ جائیں۔ فرمایا کرتے تھے کہ جو قوم سٹیج پر قابض ہو جاتی ہے دنیا میں غلبہ پاتی ہے۔ اُن دنوں ہٹلر اور چرچل کا شہرہ تھا اُن کی مثال دے کر فرماتے دیکھو ہٹلر کی ایک تقریر ساری جرمن قوم میں زندگی کی روح پھونک دیتی ہے اور چرچل کی ہر تقریر پر دُنیا کان دھرتی ہے۔ پھر سورۃ الرحمٰن سے خلق الانسان علمہ البیان کا حوالہ دے کر فرماتے تمام حیوانوں میں سے انسان ہی ایسا حیوان ہے جو خود سیکھ کر دوسروں کو سکھا سکتا ہے۔ یہی

قوت بیان اسے دیگر حیوانوں سے ممتاز کرتی ہے۔ فرماتے ایک بندر کو خواہ برسوں کرتب سکھلائے جائیں پھر اُسے جنگل میں چھوڑ دیا جائے تو کبھی ایسا نہیں ہوگا کہ وہ جنگل میں جائے اور سیکھے ہوئے کرتب دوسرے بندروں کو سکھانے لگے۔ فرمایا کرتے انسان کا بچہ ایسا نہیں وہ ہر بات سیکھ کر سکھانے کی صلاحیت رکھتا ہے اسلئے کوشش کرنی چاہیئے کہ اس قوتِ بیانیہ کو خوب ترقی دی جائے اور تقریر میں ایسا ملکہ پیدا کیا جائے کہ اپنے مافی الضمیر کو پختہ دلائل کے ساتھ نہایت عمدگی سے بیان کیا جا سکے !!

پھر عملی رنگ میں آپ اس کے لئے ہر ممکن موقع پہ ہونہار افراد کی حوصلہ افزائی بھی فرمایا کرتے تھے۔

:(۵):

حضرت میر صاحب مرحوم و مغفور چونکہ خود بھی عالم باعمل بزرگ اور اسلام کی زندہ عملی تصویر تھے اسلئے آپ کو اس بات کا بڑا خیال رہتا تھا کہ مدرسہ احمدیہ کے تمام طلبہ حقیقی معنوں میں عالم باعمل اور خدا تعالیٰ کی مخلوق کے سچے خدمت گزار بنیں۔ اس سلسلہ میں آپ نے صحن مدرسہ احمدیہ کی جنوبی اونچی دیوار پر نہایت جلی حروف میں اساتذہ و طلبہ مدرسہ احمدیہ کی زبان سے حسب ذیل عبارت لکھوا دی تھی:-

"اے ہمارے قادر مطلق سچے بادشاہ تو ہمیں عالم باعمل بنا۔ ہمیں دنیا کے سب فکروں سے فارغ البال کر کے اپنے بندوں کی خدمت کے لئے وقف فرما ــــ !!

ہم ہیں تیرے عاجز بندے

اساتذہ و طلبہ مدرسہ احمدیہ"

گویا یہ تھا وہ نصب العین اور ماٹو جسے عملی رنگ میں سکول کے ہر طالب علم کے دل و دماغ میں راسخ کرنا چاہتے تھے !!

:(۶):

آپ کی ہمیشہ یہی خواہش ہوتی کہ ہر شخص جو احمدی کہلاتا ہے وہ صحیح معنوں میں پکا اور سچا احمدی بنے۔ اپنے مواعظِ حسنہ میں احبابِ جماعت کو خطاب فرماتے ہوئے اکثر فرمایا کرتے "احمدی کے معنے ہیں چھوٹا احمدؐ اس لئے ہر احمدی کو چھوٹا احمدؐ بن کر اپنی زندگی گزارنی چاہیئے"۔ اپنے متعلق فرماتے۔ میری حالت تو یہ ہے کہ بسا اوقات میں بازار میں جا رہا ہوتا ہوں اور اپنے نفس سے سوال کرتا ہوں کہ کیا میں احمدی ہوں؟ کیا میں احمد ثانی ہوں؟ کیا میرے چلنے پھرنے اور بول چال سے احمدؐ صادق کی تصویر نظر آتی ہے؟

فرماتے اگر ہر احمدی اسی نہج پہ اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہے تو ہر چیز جہاں اس کے اپنے نفس کی اصلاح اور درستی کا بہترین ذریعہ ہے وہاں جماعتی لحاظ سے بھی بڑی ہی مفید اور سود مند ہے۔

:(۷):

تقسیمِ ملک سے قبل احبابِ قادیان کا یہ تعامل تھا کہ صبح کی نماز کے بعد اپنے اپنے گھروں میں بلند آواز سے قرآن کریم کی باقاعدہ بالالتزام تلاوت کرتے صبح کے سہانے وقت میں ہر گھر سے کلامِ الٰہی کی تلاوت کی مرلی آوازیں بڑی ہی پُرلطف اور سرور پرور معلوم ہوتیں - نہ صرف گھروں میں بلکہ احمدیہ بازار کے دکاندار اپنی دکانوں پر ہی بیٹھ کر کلامِ پاک کی تلاوت میں مشغول ہو جاتے حضرت میر صاحبؓ کو یہ امر بڑا ہی مرغوب تھا چنانچہ مکرمی مرزا عبد اللطیف صاحب درویش ابن مرزا جہتاب بیگ صاحب تقسیمِ ملک سے قبل اپنے والد صاحب کی دکان موسومہ احمدیہ درزی خانہ میں کام کرتے تھے اور رات کے وقت بھی بسا اوقات اسی دکان پر سو جایا کرتے اور فجر کی نماز ادا کر کے بالعموم دکان پر ہی آکر تلاوتِ قرآن کریم کیا کرتے بیان کرتے ہیں کہ میں نے اکثر دیکھا ہے کہ حضرت میر صاحب مرحوم سامنے بازار میں چل رہے ہوتے اور جو دکاندار تلاوتِ قرآن کریم نہ کر رہا ہوتا اُسے بڑی محبت سے فرماتے اُٹھو تلاوت کرو !! تلاوت کرو !! چنانچہ دوست اسکی فوری تعمیل میں لگ جاتے !!

:(۸):

حضرت میر صاحبؓ کی زندگی بالکل سادہ اور ہر قسم کے تکلفات سے بالکل پاک تھی - مکرمی مرزا عبد اللطیف صاحب درویش بیان کرتے ہیں کہ متعدد بار ایسا ہوا کہ صبح کے وقت میں اپنی دکان میں بیٹھا ہوتا حضرت میر صاحب تشریف لاتے اور ایک دو جگہ سے پھٹی ہوئی اپنی قمیص یا سلوار مجھے دیتے اور فرماتے - لطیف ! اس کو سی دو - چنانچہ میں تعمیل کرتا - ایک دفعہ ایسا ہوا کہ سلوار اس طرح زیادہ پھٹ چکی تھی کہ اس کو سیدھا سیا جانا ممکن نہ تھا - میں نے عرض کیا حضور ! پیوند کے بغیر اس کی سلائی ممکن نہیں !! فرمایا بے شک پیوند لگا دیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیوند لگے کپڑے پہن لیا کرتے تھے !! اللہ اللہ یہ سادگی اور یہ محبتِ رسولؐ اور سنتِ نبوی کی اتباع !!

یاد رہے آپ کی یہ حالت ناداری کی وجہ سے نہ تھی بلکہ اُسی سخاوت اور غریب پروری کی وجہ سے تھی جو یؤثرون علیٰ انفسھم ولوکان بھم خصاصۃ کا رنگ رکھتی تھی -

:(۹):

محتاجوں، بے سہارا افراد، یتامیٰ و مساکین کی خبرگیری اور اُن کی پرورش سے آپ کو خاص لگاؤ اور دلچسپی تھی - دار الشیوخ " کے نام سے اپنی ذاتی ذمہ داری پر آپ نے ایک مستقل شعبہ کھول رکھا تھا جس میں بیسیوں محتاج، بے کس اور بے سہارا افراد کے علاوہ ایک بڑی تعداد یتامیٰ و مساکین کی پرورش پاتی تھی - نیم بورڈنگ کی صورت میں زیرِ تربیت نوعمر بچوں کی نگرانی کے لئے ایک باقاعدہ تنخواہ دار ٹیوٹر رکھا ہوا تھا جس کے گزارے کے لئے اللہ تعالےٰ اپنی جناب سے وافر سامان کر دیتا جو حضرت میر صاحبؓ کی توجہ الی اللہ و شفقت علیٰ خلق اللہ کا نتیجہ تھا !! "مدد" جسے

حضرت میر صاحب مرحوم متعدد بار اپنی حسابی چٹوں میں استعمال فرماتے بفضلہ تعالیٰ ہمیشہ ہی بھر پور رہی۔ آپ کی زندگی میں اس میں کبھی کمی نہیں آئی !!

:(۱۰):

آپؓ کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت عشق کا رنگ رکھتی تھی۔ حدیث کے متبحر عالم تھے۔ حدیث شریف کا درس دینا آپ کا محبوب مشغلہ اور مطالعۂ حدیث آپ کی روحانی غذا اور راحتِ جان تھی۔ درس دیتے ہوئے بات بات پر رقت طاری ہو جاتی اور محبت و عشق میں ڈوبے ہوئے الفاظ میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرماتے اور ساتھ ہی آبدیدہ بھی ہو جاتے، آواز بھرا جاتی اور بڑے درد اور سوز سے بات کو مکمل فرماتے۔ درس دینے کا انداز ایسا پاکیزہ، دلکش اور مسحور کن ہوتا کہ ہر شخص بڑی توجہ اور غیر معمولی دلچسپی کے ساتھ سنتا۔ جوں جوں سنتا اس کی بھوک تیز ہوتی چلی جاتی۔ آواز میں ایسی تاثیر یوں معلوم ہوتا کہ گویا ایک ایک لفظ دل کی گہرائیوں سے نکل رہا ہے اور سیدھا دلوں تک پہنچ رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق و محبت آپ کی زبان اور آپ کے نورانی چہرے سے عیاں ہوتی !! اللّٰھم اغفرلہٗ وارفع درجاتہٗ فی اعلیٰ علیّین وارزقہٗ شفاعۃ حبیبہٖ۔ !!

اکثر فرمایا کرتے :-

"جب کبھی میں غمگین ہوتا ہوں تو گھر چلا جاتا ہوں علیحدگی میں بیٹھ کر بخاری شریف کھول لیتا ہوں۔ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس حالات پڑھتا ہوں، حضور کے ارشادات کا مطالعہ کرتا ہوں ——— بس میرا سارا غم، سارا اندوہ دور ہو جاتا ہے !!"

عشاقِ رسول اللہؐ پر اللہ تعالیٰ کی ہزاروں ہزار رحمتیں ہوں !!

:(۱۱):

حضرت میر صاحبؓ حدیث شریف کے درس میں بیسیوں معرفت کے نکات کے ساتھ مخصوص انداز میں تاریخ اسلام کے متعدد واقعات نہایت دلنشیں طریق پر بیان فرماتے۔ مثلاً جب اس قسم کی حدیث آتی کہ :-

"لوددت ان اُقتل فی سبیل اللّٰہ ثم اُحیٰ ثم اُقتل ثم اُحیٰ ثم اُقتل"

تو فی سبیل اللہ شہادت کی ارفع شان بیان کرتے اور فرماتے درحقیقت وہ انسان جو اپنے تئیں لاشئے محض قرار دیتے ہوئے سب کچھ خدا ہی کی ذات کو سمجھے اس کی ہر دم یہی تمنا ہوا کرتی ہے کہ جس طرح ہو میں اپنے محبوب کی خوشنودی حاصل کروں اور اس کی راہ میں فنا ہو جاؤں ایسے لوگ نفس کی قربانی دینے میں لذت محسوس کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار کی شہادت کے بعد اسی بنا پر پھر زندگی اور فنا کی خواہش کرتے ہیں۔

فرمایا کرتے تھے کہ خدا کی راہ میں جان کی قربانی دے دینا کوئی معمولی بات نہیں۔ فرماتے جب کبھی میں حضرت صاحبزادہ سیّد عبد اللطیفؓ کی شہادت کا تصوّر کرتا ہوں تو میرے دل میں اُن کے پختہ ایمان اور ان کی عظمت کی قدر بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ جب میں خود اس بات پر غور کرتا ہوں کہ کیا میں اس قسم کی قربانی کر سکتا ہوں تو اس راہ میں اپنے آپ کو کمزور پاتا ہوں اسلئے کہ جس قسم کے صبر و ثبات کا نمونہ حضرت شہید مرحوم نے دکھایا ہر کس و ناکس سے ممکن نہیں کہ ایسا کر سکے !! حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شہادت کا واقعہ اور اپنے لئے حضرت عائشہؓ سے اُن کے حجرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں قبر کی جگہ کی درخواست بڑے رقّت انگیز پیرایہ میں اکثر بیان فرماتے۔ اسی موقع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اُس عجیب دُعا کا بھی ذکر فرمایا کرتے جو میری یادداشت کے مطابق کچھ ان الفاظ میں بیان کرتے کہ حضرت عمرؓ نے دُعا فرمائی تھی "اللّٰھمّ ارزقنی شہادۃً فی سبیلک فی مدینۃ رسولکؐ"

اے اللہ مجھے اپنے رسولؐ کے مقدس شہر (مدینہ) میں اپنی راہ میں شہادت عطا فرما۔!

فرماتے بظاہر یہ دُعا بڑی خطرناک معلوم ہوتی ہے کیونکہ آپؓ خلیفہ تھے اور مدینہ شریف اسلام کا مرکز اور دارالخلافہ تھا بظاہر اس دُعا کی قبولیت کا مطلب یہ تھا کہ مرکزِ اسلام شدید خطرہ میں پڑ جائے !! مگر یہ دُعا سچے دل اور خاص تڑپ پر مبنی تھی اسلئے خدا نے اُن کی اس آرزو کو بھی پورا کر دیا اور مرکزِ اسلام کو بھی محفوظ رکھا۔ اس کے بعد حضورؓ کا ابولولؤ کے ہاتھوں شہادت پانے کا واقعہ تفصیل سے بیان فرماتے اور بڑی رقت کے ساتھ حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں دفن ہونے کی درخواست کا ذکر فرماتے۔

:(۱۲):

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مزار شریف پر جا کر دُعا کرنے کے سلسلہ میں فرمایا کرتے کہ وہاں جا کر اس طرح دُعا کرنی چاہیئے کہ:۔

"اے اللہ! تیرا یہ محبوب اور پیارا بندہ تھا جب تک اس دُنیا میں رہا وہ تیرے دین کی خدمت و اشاعت کے لئے ہر طرح کوشش کرتا رہا۔ اس کے دل میں کچھ نیک تمنّائیں تھیں اور کچھ مقاصد تھے۔ اب وہ تیرے پاس پہنچ چکا ہے۔ اے خدا تو ہمیں اس بات کی توفیق دے کہ ہم ان نیک تمنّاؤں اور اعلیٰ نیک مقاصد کو پورا کرنے والے ہوں !!" (آمین)

یہ ہیں اُس عظیم المرتبت عالم باعمل بزرگ کے ذکرِ خیر کی چند باتیں جو اذکروا موتاکم بالخیر کے ارشادِ نبوی کی تعمیل میں اور اپنے محسن کے احسانات کی شکر گزاری کے جذبہ سے سپردِ قلم کی گئی ہیں۔

آخر میں دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت میر صاحب مرحوم رضی اللہ عنہ کو اپنے قرب میں اعلیٰ و ارفع مقام پر فائز کرے اور ایسا ہو کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے پاک بندے حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ کے دل میں حضرت رسول مقبول

صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عشق تھا اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ساری جماعت کے دوستوں کے دل میں ایسا ہی محبت رسول اللہ کا جذبہ پیدا کر دے اور ہر احمدی کہلانے والا اپنی عملی زندگی میں حضرت میر صاحب رضی اللہ عنہ کی نصیحت کے مطابق فی الواقع احمدؐ ثانی بن جائے۔ اللّٰھم آمین برحمتک یا ارحم الراحمین ﴿

ہمارے بزرگ استاد حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ کے شمائل حسنہ

(از جناب چودھری محمد شریف صاحب سابق مبلغ بلاد عربیہ حال گیمبیا (افریقہ))

میں ۱۹۱۹ء میں محض خدا تعالیٰ کے فضل سے قادیان آیا۔ اُس وقت میری عمر سات آٹھ سال تھی اور اگست ۱۹۴۷ء تک مستقل طور پر قادیان میں رہائش اور اس کے فیوض و برکات سے متمتع ہونے کی خداوند پاک نے سعادت عطا فرمائی۔ ۱۹۲۱ء اور ۱۹۲۲ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی طرف سے پُر زور تحریک ہوئی کہ احباب جماعت اپنے بچوں کو وقف کر کے مدرسہ احمدیہ میں داخل کریں۔ اس تحریک پر لبیک کہنے والے میرے محسن سرپرست بھی تھے۔ میں مدرسہ احمدیہ میں داخل کر دیا گیا۔ خدا تعالیٰ کا ہم پر یہ احسان ہوا کہ بہت سے بزرگ اور صالح دنیا ہے و فرشتہ سیرت استاد ہمیں مل گئے اور ان میں سے ایک نیک، بزرگ جوان استاد حضرت میر محمد اسحٰق صاحب رضی اللہ عنہ تھے اور انہی کا ذکر خیر حسب ارشاد برادرم مکرم مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری ایڈیٹر الفرقان نہایت اختصار سے اس جگہ کرنا مقصود ہے۔

سب سے پہلے آپ ہمیں قرآن شریف کا ترجمہ پڑھانے پر پانچویں جماعت میں مامور ہوئے۔ چند ماہ آپ نے ہمیں قرآن شریف کا ترجمہ پڑھایا۔ اس وقت آپ سے ترجمہ پڑھنے کا جو لطف آتا تھا وہ حد بیان سے بالا ہے۔ جامعہ احمدیہ قائم ہو جانے پر آپ جامعہ احمدیہ میں منتقل ہو گئے اور ہم ۱۹۲۹ء میں جامعہ احمدیہ میں پہنچ کر آپ کے مستقل شاگرد بن گئے اور آپ کی یہ شاگردی میرے لئے پانچ سال تک جاری رہی۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ ہماری کلاس سب کلاسوں سے زیادہ خوش قسمت تھی کہ ہم نے آپ سے سب کلاسوں سے زیادہ فوائد اور برکتیں حاصل کیں۔ بادہ[1] نوجوانوں کی یہ

---

[1] (۱) الحاج مولوی محمد سلیم صاحب (سابق مبلغ بلاد عربیہ) (۲) شیخ عبدالقادر صاحب (مربی لاہور) (۳) شیخ مبارک احمد صاحب

جماعت تھی اور ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی رنگ میں ایک دوسرے سے بڑھا ہوا تھا۔ پھر ہماری جماعت کے بعد کوئی اتنی بڑی جماعت آپ کی شاگردی میں نہیں آئی۔ اور ہمارے بعد ہمارے بزرگ دیا خدا پرنسپل صاحب بھی ریٹائر ہو گئے اور حضرت میر صاحب بھی مدرسہ احمدیہ میں ہیڈ ماسٹر مقرر ہو گئے۔ جہاں ذمہ داری اور قسم کی تھی اور بچے اور نوجوان تعلیم کے لحاظ سے ایک رنگ کے ہو نہیں سکتے۔ وان الفضل بید اللہ یوتیہ من یشاء۔

مولوی فاضل کلاس میں اور مبلغین کلاس میں بھی آپ ہمیں حدیث شریف پڑھاتے رہے اور صحاح ستہ ہم نے آپ سے پڑھیں۔ مبلغین کلاس کے دو سالوں میں آپ ہمارے علم کلام کے بھی پروفیسر تھے اور تقریر و تحریر میں ہم آپ کے ہی شاگرد ہیں۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء

وقت پر آنا اور وقت کے ختم ہوجانے پر فوراً کتاب بند کر کے چلے جانا آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔ نہ آپ کسی کا وقت لیتے تھے اور نہ کوئی دوسرے استاد صاحب آپ کا وقت لے سکتے تھے۔ وقت شروع ہونے پر فوراً دروازہ پر پہنچ کر السلام علیکم کہتے تھے۔

آپ ہمیں نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ وقت کی پابندی نہایت ضروری ہے۔ اگر یہ اعلان کرایا جائے کہ جلسہ نو بجے شروع ہوگا تو نو بجے شروع کر دو خواہ ایک آدمی بھی نہ آیا ہو۔ اور بعض دفعہ ایسا ہوا کہ مہمان خانہ میں ہمارا ہفتہ واری جلسہ شروع ہوا اور چند ہی آدمی تھے مگر چونکہ آپ صدر جلسہ تھے اس لئے جلسہ عین وقت مقررہ پر شروع کرا دیا اور حاضرین بعد میں آتے گئے۔

جب ہم مبلغین کلاس میں داخل ہوئے تو سب سے پہلے آپ نے ہمیں یہ نصیحت فرمائی کہ ہر مبلغ کے پاس تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ (۱) قلم (۲) نوٹ بک (۳) گھڑی۔

آپ کی ہمارے ساتھ بے مثال اور بے لوث محبت تھی۔ ہماری علمی اور خصوصاً علم کلام میں ترقی کے لئے آپ ہر وقت کوشاں رہتے تھے۔ روزانہ صبح بیس منٹ ہم سے تقریر کروایا کرتے تھے اور ہماری تقریروں کی غلطیاں بڑی حکمت عملی اور کبھی کبھی بے تکلفی سے دور فرمایا کرتے تھے۔ مضامین کی تیاری کے لئے کتابوں کے نام نوٹ کرواتے تھے

(بقیہ حاشیہ ص۳۴) (مبلغ انچارج مشرقی افریقہ) (۴) مولوی احمد خان صاحب نسیم (سابق مبلغ برما حال انچارج مقامی تبلیغ) (۵) مولوی ظہور الحسن صاحب (۶) مولوی غلام مصطفیٰ صاحب ٹھیکیدار مرحوم (۷) مولوی نذیر احمد صاحب مبشر (مبلغ انچارج گولڈ کوسٹ) (۸) مولوی صالح محمد صاحب (مبلغ گولڈ کوسٹ) (۹) ملک محمد عبداللہ صاحب (پروفیسر تعلیم الاسلام کالج) (۱۰) مولوی (حافظ) عبدالغفور صاحب جالندھری (سابق مبلغ جاپان) (۱۱) مولوی غلام حسین صاحب ایاز مرحوم (سابق مبلغ سنگاپور و شہید بورنیو) (۱۲) خاکسار راقم الحروف (سابق مبلغ انچارج بلاد عربیہ)۔

اور ضروری مضامین پر ہمیں روزانہ دلائل املاء کرواتے تھے۔ عیسائی مذہب، بدھ مذہب، بہائی ازم، آریت وغیرہ کے متعلق آپ نے ہمیں روزانہ دو سال تک دلائل لکھوائے۔ کمال آپ کا یہ تھا کہ آپ کے سامنے کوئی کتاب یا نوٹ بک یا کاغذ پر نوٹ نہیں ہوا کرتے تھے جو املاء کرواتے تھے حافظہ سے ہی کرواتے تھے اور فرماتے تھے کہ اصل علم وہی ہے جو سینہ میں محفوظ ہو نہ وہ جو کسی نوٹ بک میں لکھا ہوا ہو۔ ہماری تقریروں کو جلا دینے کے لئے آپ نے جامعہ میں ہفتہ واری اجلاس ہر جمعرات کی شام کو رکھے ہوئے تھے۔ جہاں ہم سے باری باری ہر ایک بات کو ایسی وضاحت سے بیان فرماتے تھے کہ حاضرین کے دلوں میں وہ بات نقش ہو جاتی تھی۔

اپنے شاگردوں کی بہتری کا آپ کو خاص خیال رہتا تھا۔ جامعہ احمدیہ سے پہلا رسالہ آپ نے جاری کروایا۔ دلی اور علی گڑھ تک کی آپ نے ہمیں سیر کرائی۔ اور ہر جگہ جہاں جلسہ یا مناظرہ ہو وہاں ہم میں سے ہر ایک کو باری باری بھیجنے کا آپ نے نظارت دعوۃ و تبلیغ سے انتظام کروایا۔

جہاں آپ کی محبت و شفقت کا یہ عالم تھا۔ وہاں آپ کے شاگردوں کا بھی یہ حال تھا کہ انہوں نے بھی کبھی آپ کے سامنے آنکھ اونچی نہیں کی۔ اور مجھے اب تک آپ کے کسی شاگرد سے آپ کے خلاف کبھی کوئی کلمہ سننے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اس لحاظ سے بھی آپ صحیح معنوں میں سید یعنی سردار ہیں۔

آپ کے رفقاء عمل اساتذہ کرام بھی آپ کا بہت احترام و ادب کرتے تھے اور آپ خود باوجود بہت بڑے عالم باعمل ہونے کے اپنے استاد یعنی حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب رضؓ کا بہت ادب و احترام کرتے تھے اور اپنے آپ کو ہنوز شاگرد ہی تصور فرماتے تھے۔

آپ کو جہاں اپنے شاگردوں کا علم اور حوصلہ بڑھانے کا بہت خیال تھا وہاں آپ خود اپنا علم بڑھانے میں بھی کمال کوشش فرماتے تھے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ کسی مستشرق نے یہ اعلان کیا تھا کہ اس وقت عالم اسلامی میں کوئی بھی ایسا عالم نہیں جس نے مسند احمد بن حنبل پڑھی ہوئی ہو۔ اگر کوئی ہے تو وہ اعلان کرے۔ اس پر میں نے مسند احمد بن حنبل کو شروع سے لیکر آخر تک پڑھا ہے۔

آپ کوہِ وقار، بڑے بارعب اور ہشاش بشاش تھے۔ کسی کی کیا مجال تھی کہ آپ کے ساتھ ضرورت سے زیادہ بات کر سکے۔ جب نماز ادا فرماتے تھے تو صحیح معنوں میں مجذوب یعنی خدا تعالیٰ کی طرف کھنچے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔

قادیان میں تین میر صاحب تھے جو یتامیٰ اور مساکین کے ماں باپ سے بھی بڑھ کر ماں باپ تھے۔ میر ناصر نواب صاحبؓ، میر قاسم علی صاحبؓ اور میر محمد اسحٰق صاحبؓ۔ اور اب بھی بہت سے حق شناس اُن کے عہد کے یتامیٰ اور مساکین میں سے ایسے ہیں جو اُن کے لئے ایسے ہی دعائیں کرتے اور اُن کو یاد کرتے ہیں جیسے اپنے حقیقی ماں باپ کو یاد کیا جاتا ہے۔

آپ کی للٰہیت کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپ نے اپنے والدین کی بھی حتی المقدور خدمت کی اور جو قلیل

تنخواہ آپ کو مدرسہ یا جامعہ سے ملتی تھی اسی پر اکتفا کرتے تھے۔ مگر ناظر ضیافت کی تنخواہ باوجود ناظر ضیافت ہونے کے نہیں لیتے تھے۔ جس بات کو آپ اپنے خیال میں صحیح سمجھتے تھے اس کو کمال دلیری سے بیان کرتے تھے خواہ طور پہاڑ کو ہی کیوں نہ سر پر اٹھانا پڑے۔ ہر بات میں کمال تھا، ہر طرز نئی تھی، ہر ادا نئی تھی، ہر دلیل نئی تھی، ہر ایک سے طرزِ خطاب دلربا تھا۔ ہر ایک محب سے محبت تھی۔ ہر بڑے کا ادب تھا۔ سنّتِ نبوی کی اقتداء تھی۔ سادگی کمال درجہ کی تھی۔ شروع سے آخر تک شرعی پاجامہ پہنتے رہے اور مسنون خوشنما داڑھی اور سر پہ رومی ٹوپی۔ اور اپنے شاگردوں سے بھی داڑھی رکھواتے تھے۔ آپ کے زمانہ کا مہمان خانہ کا مہمان سمجھتا تھا کہ میں اپنے گھر میں ہوں اور ہر مسکین و یتیم سمجھتا تھا کہ میر صاحب میرے ہیں اور آپ کا ہر شاگرد سمجھتا تھا کہ میر صاحب میرے ہی استاد ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ صرف میرے ہی استاد تھے۔ غفر اللہ لہٗ وجزاہ اللہ عنا احسن الجزاء۔

(از جناب شیخ محمد احمد صاحب پانی پتی مولوی فاضل)

حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ —— جب کبھی یہ نام ذہن میں آتا ہے معاً وہ گرانبار احسانات نظروں کے سامنے آجاتے ہیں جو خدا کے اس پاکباز انسان نے مجھ جیسے ایک ناچیز طالب علم پر فرمائے اور جن کا سلسلہ اس وقت تک جب تک کہ آپ اس دنیا سے رخصت ہوئے برابر جاری رہا۔

۱۹۲۳ء میں والد صاحب محترم شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی نے حضرت میر صاحبؓ کو لکھا کہ میں محمد احمد کو مدرسہ احمدیہ میں داخل کرانا چاہتا ہوں آپ لکھئے کہ اخراجات وغیرہ کیا ہوں گے۔ حضرت میر صاحبؓ کا جواب آیا کہ آپ اخراجات کی مطلق پروا نہ کریں اور لڑکے کو داخل کرانے کے لئے فوراً قادیان لے آئیں۔ چنانچہ والد صاحب مجھے قادیان لے گئے اور حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحبؓ (جن کے احسانات بھی حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کے احسانات سے کسی طرح کم نہیں) کے پاس قیام کیا۔ جب ہم حضرت میر صاحبؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ بہت تپاک اور محبت و شفقت سے پیش آئے۔ اسی وقت مولانا عبدالرحمٰن صاحب فاضل (حال امیر جماعت احمدیہ قادیان) کو بلا کر فرمایا کہ اس لڑکے کو کورس کی کتابیں خرید دیں اور جو بل ہو وہ مجھے لا کر دیدیں۔ اس کے بعد والد صاحب سے کہا کہ آپ آسانی سے جتنی رقم بھیج سکیں بھیج دیا کریں باقی اخراجات میں خود اپنے پاس سے دیا کروں گا چنانچہ

ڈیڑھ سال تک جب تک کہ آپ کی وفات ہوئی حضرت میر صاحبؓ میرے تعلیمی اخراجات برداشت کرتے رہے۔
دورانِ تعلیم میں بھی جس شفقت اور محبت کا سلوک حضرت میر صاحبؓ نے مجھ سے کیا اس کا اثر دل پر سے کبھی زائل نہ ہوگا۔ قادیان کے گرد و نواح میں تبلیغی جلسے اور مباحثے اور مناظرے کثرت سے ہوتے رہتے تھے اور مدرسہ احمدیہ کے طلباء ان میں خصوصیت سے شامل ہوا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ قادیان سے سات آٹھ میل کے فاصلہ پر کسی گاؤں میں کوئی مناظرہ تھا اور حسبِ معمول مدرسہ احمدیہ کے تمام طلبہ بھی وہاں جانے کی تیاری کر رہے تھے کہ سپرنٹنڈنٹ صاحب بورڈنگ کے نام حضرت میر صاحبؓ کا حکم آیا کہ محمد احمد کو جانے کی اجازت نہیں ہے۔ اسے کہہ دیا جائے کہ وہ بورڈنگ میں رہنے کی بجائے حضرت میر محمد اسماعیل صاحبؓ کے ہاں چلا جائے (میری ایک ٹانگ کمزور ہے اسی لئے حضرت میر صاحبؓ نے یہ خیال کر کے کہ مجھے اتنی دور پیدل آنے جانے میں بہت تکلیف ہوگی یہ ہدایت بھیجی) یہی نہیں بلکہ اگلے روز جب مدرسہ کھلا تو حضرت میر صاحبؓ نے مجھے اپنے پاس بلا کر پوچھا کہ تم کل کہاں رہے ؟ اس واقعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جہاں حضرت میر صاحبؓ کو کمزور لڑکوں کے آرام کا حد درجہ خیال تھا وہاں آپ اس امر کی بھی پوری نگہداشت کرتے تھے کہ فارغ اوقات میں لڑکے گلی کوچوں میں آوارہ پھر کر اپنا وقت تو ضائع نہیں کرتے۔

اسی طرح ایک مرتبہ اور اسی قسم کا واقعہ پیش آیا۔ جماعت احمدیہ اٹھوال ضلع گورداسپور نے ایک تبلیغی جلسہ منعقد کیا اور حضرت میر صاحبؓ سے صدارت کی درخواست کی۔ حضرت میر صاحبؓ نے مدرسہ کی جماعتوں میں حکم بھیجا کہ تمام لڑکوں کے لئے اٹھوال جانا لازمی ہے اور ان کا سفر خرچ میں خود اپنے پاس سے ادا کروں گا۔ (اٹھوال بٹالہ ریلوے سٹیشن سے چھ سات میل کے فاصلہ پر واقع تھا اور وہاں جانے کے لئے پہلے بٹالہ جانا پڑتا تھا) چنانچہ اگلے روز حضرت میر صاحبؓ مدرسہ کے دو اڑھائی سو لڑکوں کو ساتھ لیکر بٹالہ پہنچے۔ وہاں سے اٹھوال تک پیدل سفر کرنا تھا چنانچہ دوسرے لڑکے تو پیدل روانہ ہوئے لیکن مجھے حضرت میر صاحبؓ نے ازراہِ شفقت و عنایت ایک تانگہ میں سوار کرا دیا۔ اگلے روز واپسی تھی میں بھی دیگر ساتھیوں کے ہمراہ پیدل ہی چل پڑا۔ ابھی ایک دو میل ہی سفر طے کیا ہوگا کہ پیچھے سے حضرت میر صاحبؓ کا تانگہ آیا۔ جب انہوں نے مجھے پیدل جاتے دیکھا تو بے حد ناراض ہوئے اور فرمایا کہ جب میں نے کہہ دیا تھا کہ تانگہ میں جانا تو پیدل کیوں چل پڑے۔ یہ کہہ کر مجھے اپنے ساتھ تانگہ پر بٹھا لیا۔
اسی سفر کا ایک اور واقعہ بھی مجھے کبھی نہیں بھول سکتا۔ واپسی پر راستہ میں ایک گاؤں پڑتا تھا وہاں کے احمدی احباب نے حضرت میر صاحبؓ سے درخواست کی کہ آپ ہمارے گاؤں میں بھی تقریر فرمائیں۔ حضرت میر صاحبؓ نے ان کی درخواست قبول کر لی اور ایک تقریر ارشاد فرمائی جس میں سادگی اور ہاتھ سے کام کرنے پر زور دیا اور فرمایا کہ کسی بھی انسان کو خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اپنے آپ کو دوسروں سے برتر نہ سمجھنا چاہیئے بلکہ خادم خیال

کرنا چاہیئے۔ جلسہ کے بعد وہاں کے احمدی احباب نے کہا کہ ہم نے کھانے کا انتظام بھی کیا ہے لیکن ہمارے پاس اتنے آدمی نہیں کہ دو اڑھائی سو آدمیوں کو کھانا کھلا سکیں۔ اگر آپ اپنے میں سے چند آدمیوں کو اس غرض کے لئے مقرر کر دیں تو ہمیں سہولت رہے گی۔ جو اساتذہ ہمارے ساتھ تھے انہوں نے چند لڑکوں کو اس غرض کے لئے مقرر کر دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت میر صاحبؓ اپنی جگہ پر سے اُٹھے اور فرمایا کہ میں نے ابھی کہا تھا کہ کسی شخص کو اپنے ہاتھ سے کام کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرنی چاہیئے لیکن نصیحت اُسی وقت کارگر ثابت ہو سکتی ہے جب کہنے والا خود بھی اس پر عمل کر کے دکھائے۔ لہٰذا اس وقت طلبہ کو کھانا اساتذہ کھلائیں گے اور میں بھی اس کام میں ان کے ساتھ شریک ہوں گا چنانچہ سب طلبہ کو مسجد میں بٹھا دیا گیا۔ حضرت میر صاحبؓ روٹیاں تقسیم کرنے لگے اور دیگر اساتذہ نے پلیٹوں میں سالن ڈالنا اور پانی پلانے کا کام سنبھالا۔

اسی شفقت و محبت کا اثر تھا کہ آپ کے شاگرد آپ کو کبھی نہیں بھول سکتے۔ آج تک کسی استاد کی وفات پر اس کے شاگردوں کو روتے ہوئے نہیں دیکھا لیکن حضرت میر صاحبؓ کی وفات پر مدرسہ احمدیہ کے تمام لڑکے پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے اور ان میں سے ہر ایک سچے دل سے یہ محسوس کر رہا تھا کہ ان کا بہت بڑا محسن اس دنیا سے اُٹھ گیا۔

حضرت میر صاحبؓ بہت بڑے ماہر تعلیم تھے اور بچوں کی نفسیات سے خوب واقف تھے۔ جب میں مدرسہ احمدیہ میں داخل ہوا تو میں نے حضرت میر صاحبؓ سے عرض کیا کہ منطق اور فقہ بہت مشکل مضمون ہیں اگر آپ مجھے یہ مضامین معاف کر دیں تو بہت مہربانی ہو گی۔ اگر کوئی اور ہیڈ ماسٹر ہوتا تو اس احمقانہ درخواست پر یقیناً یہی کہتا کہ میاں! تم یہاں پڑھنے کے لئے آئے ہو یا مضامین معاف کرانے۔ اسکول کا جو نصاب ہو گا وہ تمہیں بہرحال پڑھنا ہو گا۔ لیکن حضرت میر صاحبؓ نے کمال شفقت سے فرمایا کہ "بہت اچھا اگر تمہیں یہ مضامین مشکل معلوم ہوتے ہیں تو میں انہیں معاف کر دیتا ہوں"۔ اس سے قبل جب تک میں ہائی سکول میں تعلیم پاتا رہا میرا شمار نالائق ترین لڑکوں میں ہوتا تھا لیکن حضرت میر صاحبؓ کے طرزِ عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھ میں تعلیم کا شوق پیدا ہو گیا اور میں نے یہ خیال کیا کہ جب حضرت میر صاحبؓ مجھ پر اتنی شفقت فرماتے ہیں اور میری ناجائز درخواستوں کو بھی قبول کر لیتے ہیں تو مجھے بھی محنت کر کے ان کی نظروں میں اپنے آپ کو سرخرو کرنا چاہیئے اور انہیں کسی قسم کی ناراضگی کا موقعہ نہیں دینا چاہیئے۔

صرف میرے ہی ساتھ حضرت میر صاحبؓ کا یہ معاملہ نہ تھا بلکہ مدرسہ کے ہر بچہ کے ساتھ آپ اسی شفقت و عنایت سے پیش آتے تھے۔ آپ کو ڈسپلن کا بے حد خیال رہتا تھا اور آپ نے حکم دے رکھا تھا کہ مدرسہ احمدیہ میں کوئی لڑکا ننگے سر اور کوٹ پہنے بغیر نہ آئے۔ ایک مرتبہ حضرت میر صاحبؓ نے ایک لڑکے کو بغیر کوٹ کے دیکھا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تم کوٹ پہنے بغیر کیوں مدرسہ میں آئے؟ اس نے جواب دیا کہ میرے پاس کوٹ نہیں ہے۔ حضرت میر صاحبؓ یہ

سُن کر خاموش ہو گئے اور تھوڑی دیر بعد اُسے دفتر میں بُلا کر ایک کوٹ مرحمت فرمایا۔ یہ تو میں نے بطور نمونہ ایک مثال بیان کی ہے ورنہ حضرت میر صاحبؓ کی ساری زندگی اِس قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔

طلبہ میں خود اعتمادی کا جذبہ پیدا کرنے میں بھی حضرت میر صاحبؓ کو کمال حاصل تھا۔ میرے دوست خورشید احمد صاحب منیر مربی سلسلہ نے سُنایا کہ زمانہ طالب علمی میں حضرت میر صاحبؓ نے انہیں رہائش کے لئے اپنے ہی گھر میں ایک کمرہ دے رکھا تھا۔ ایک مرتبہ رات کے وقت آپ نے دروازہ کھٹکھٹایا اور فرمایا "خورشید احمد! اُٹھو تہجد پڑھو" انہوں نے جواب دیا کہ میں تو پہلے ہی تہجد پڑھ چکا ہوں۔ حضرت میر صاحبؓ نے فرمایا "تو پھر ہمیں کیوں نہیں جگایا؟"

اسکول میں دیر سے آنے والے اور سبق یاد نہ کرنے والوں کو بالعموم بدنی سزائیں دی جاتی ہیں لیکن حضرت میر صاحبؓ بدنی سزا دینے کے قائل نہ تھے۔ مدرسہ میں دیر سے آنے والے لڑکوں کے لئے آپ نے یہ طریقۂ علاج تجویز کیا تھا کہ مدرسہ کے صحن میں ایک دائرہ بنا دیا تھا جس کا نام "دائرۃ الکسالیٰ" (سُست لڑکوں کا دائرہ) رکھا تھا۔ جو لڑکے دیر میں آتے انہیں کچھ دیر کے لئے اس دائرہ کے گرد کھڑا کر دیا جاتا۔ ظاہر ہے کہ کسی لڑکے کے لئے سارے مدرسہ کے سامنے "دائرۃ الکسالیٰ" میں کھڑا ہونا کس قدر شرمندگی کا باعث ہوتا ہوگا۔ نتیجہ یہ تھا کہ تمام لڑکے وقت مقررہ سے پہلے ہی مدرسہ میں آجاتے تھے۔ جو لڑکے سبق یاد کر کے نہ لاتے تھے اُن کے لئے آپ نے یہ طریقۂ سزا تجویز کیا تھا کہ ایسے تمام لڑکوں کو مدرسہ میں چھٹی ہونے کے بعد ایک کلاس میں جس کا نام آپ نے "تنبیہ الغافلین" تجویز فرمایا تھا حاضر ہونا پڑتا تھا اور جب تک وہ سبق یاد نہ کر لیتے تھے انہیں چھٹی نہ دی جاتی تھی۔ لڑکوں کے لئے مار کھا لینا آسان ہوتا ہے لیکن چھٹی ہونے کے بعد سبق یاد کرنے کے لئے گھنٹہ آدھ گھنٹہ ٹھہرنا ناقابلِ برداشت۔ یہی وجہ تھی کہ ہر لڑکا "تنبیہ الغافلین کلاس" میں داخل ہونے سے بچتا تھا اور سبق یاد کر کے لاتا تھا۔

جماعتِ احمدیہ میں حضرت میر صاحبؓ کو اپنی بزرگی، علم و فضل اور حضرت اُم المومنین رضی اللہ عنہا کا بھائی ہونے کے باعث جو احترام اور مرتبہ حاصل تھا وہ محتاجِ بیان نہیں۔ جن لوگوں کو کوئی بڑا مرتبہ حاصل ہوتا ہے وہ بالعموم خشک مزاج ہوتے ہیں لیکن حضرت میر صاحبؓ نہایت زندہ دل انسان تھے۔ آپ کے چہرہ پر ہر وقت مسکراہٹ کھیلتی رہتی تھی۔

حضرت میر صاحبؓ ناظر ضیافت بھی تھے اور جس تندہی کے ساتھ مہمان خانہ کا انتظام کرتے تھے اور مہمانوں سے جس حسنِ سلوک سے پیش آتے تھے اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں حضرت میر صاحبؓ کے زمانہ میں مہمان خانہ میں قیام کرنے کا موقعہ ملا۔ والد صاحب محترم سُنایا کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ایک غیر احمدی دوست کو لیکر قادیان گیا۔ حضرت میر صاحبؓ نے مہمان خانہ کا ایک کمرہ ہمیں دیدیا۔ ایک مرتبہ رات کے چار بجے کمرہ کے دروازہ پر دستک ہوئی۔ میں باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت میر صاحبؓ کھڑے ہیں۔ میں نے کہا "میر صاحب! آپ اِس وقت کہاں؟" حضرت میر صاحبؓ

نے فرمایا "میں یہ دریافت کرنے آیا تھا کہ آپ کے ساتھ جو غیر احمدی دوست ہیں انہیں کسی قسم کی تکلیف تو نہیں"۔

کثرت کار کے باعث انسان ہر جانب اپنی توجہ مبذول نہیں رکھ سکتا لیکن حضرت میر صاحبؓ کی یہ صفت تھی کہ گو جیہ آپ سلسلہ کی طرف سے متعدد اہم ذمہ داریوں پر فائز تھے اور دن رات کا بیشتر حصہ انہی کی بجا آوری میں گزر جاتا تھا بایں ہمہ آپ کی نظر اہم امور سے لیکر چھوٹے چھوٹے معاملات تک رہتی تھی۔ والد صاحب سنایا کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب میں قادیان آیا ہوا تھا ایک دن حضرت میر صاحبؓ نے مجھ سے پوچھا "آپ کل عشاء کی نماز میں نہیں تھے کیا بات ہو گئی تھی؟" یہی وجہ تھی کہ آپ محض عام نگرانی پر اکتفاء نہ کرتے تھے بلکہ انفرادی طور پر ایک ایک مہمان کی ضروریات کا خیال رکھتے تھے اور پوری کوشش کرتے تھے کہ کسی مہمان کو بھی کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔

حضرت میر صاحبؓ علم کے بحر بیکراں تھے جب کسی مخالف سے کوئی مناظرہ کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا جیسے شیر گرج رہا ہے۔ آپ بات کو طول دینے کے عادی نہ تھے لیکن جو بات کہتے تھے وہ برق صاعقہ بن کر مخالف پر گرتی تھی۔ اور وہ اس کا جواب دینے سے قطعی عاجز رہ جاتا تھا۔

حضرت میر صاحبؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کا ذکر آتے ہی ان کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگتے تھے۔ حدیث کا درس وہ جس طرح دیتے تھے قلم کی مجال نہیں کہ اس کی حقیقی کیفیت بیان کر سکے۔ اس درس کا حقیقی مزا وہی خوش قسمت لوگ جان سکتے ہیں جنہوں نے اپنے کانوں سے اسے سنا ہے۔ درس کے دوران میں نہ صرف آپ خود آبدیدہ ہو جاتے تھے بلکہ حاضرین کی آنکھوں سے بھی ٹپ ٹپ آنسو گر رہے ہوتے تھے۔

دنیا میں عالموں کی کمی نہیں لیکن عالم باعمل خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والے تو لاکھوں نہیں کروڑوں مل جائیں گے لیکن حضورؐ کی پیش کردہ تعلیمات کو حرز جان بنانے والے چند ہی نکلیں گے۔ حضرت میر صاحبؓ نہ صرف علم کے بحر بیکراں تھے بلکہ جو کچھ زبان سے کہتے تھے اس پر پوری طرح عمل کر کے بھی دکھاتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک آنے پر وہ نہ صرف ماہی بے آب کی طرح بے قرار ہو جاتے تھے بلکہ اپنے محبوب کے ایک ایک ارشاد پر سختی سے عمل پیرا بھی ہوتے تھے۔ مدرسہ احمدیہ کی ایک دیوار پر انہوں نے بہت جلی حروف میں یہ دعا لکھوائی ہوئی تھی:-

"اے ہمارے قادر مطلق خدا! تو ہمیں عالم باعمل بنا دے۔ اے ہمارے سچے بادشاہ! تو ہمیں دنیا کے تمام فکروں سے فارغ البال کر کے صرف اپنی عبادت اور اپنی مخلوق کی خدمت کے لئے وقف فرما دے۔ آمین

ہم ہیں تیرے عاجز بندے
اساتذہ وطلبہ مدرسہ احمدیہ قادیان"

آپ کا درس ایک روحانی غسل ہوتا تھا جس کے بعد انسان یوں محسوس کرتا تھا کہ دل پر سے میل دُھل گئی ہے اور کئی کلفتیں دُور ہو گئی ہیں

حضرت میر محمد اسحاق صاحب رضی اللہ عنہ کی زندگی کا ایک ورق

(از جناب پروفیسر صوفی بشارت الرحمٰن صاحب ایم۔اے۔ ربوہ)

حضرت میر محمد اسحاق صاحب رضی اللہ عنہ سے میرا سب سے پہلا تعارف بچپن میں برسات کے موسم میں ہوا۔ قادیان میں خوب بارشیں ہوئیں، ریتی چھلہ بھر گیا۔ لڑکوں نے اس میں تیرنا اور ڈبکیاں لگانا شروع کیا۔ میں نے دیکھا کہ کیلیوں کو جوڑ کر ایک کشتی سی بنائی گئی ہے اور اس پر کرسیاں ہیں اور ایک بزرگ ہے۔ اسباب ان کرسیوں پر تشریف فرما ہیں اور پانی کی سیر کر رہے ہیں۔ لڑکوں نے مجھے بتایا کہ یہ حضرت میر صاحب ہیں۔ اسی بچپن کے زمانے کی یہ یاد بھی تازہ ہے کہ حضرت میر صاحب مہمان خانہ میں درس دیا کرتے تھے۔ میں اتنا چھوٹا تھا کہ مجھے یہ احساس نہ ہوتا تھا کہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔ نہ اس وقت یاد ہے کہ وہ درس حدیث تھا یا درس قرآن۔ بس اتنا ہی یاد ہے کہ آپ درس دیتے تھے اور لوگوں کا جم غفیر ہمہ تن گوش ہو کر سنتا تھا۔

میٹرک کے امتحان کے بعد میں گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوا اور ایم۔اے تک چھ سال وہاں رہا۔ کوئی نہ کوئی موقعہ نکال کر ہر ماہ میں دو تین دفعہ قادیان آجایا کرتا تھا۔ اگر جمعہ کی چھٹی ہوتی تو ہفتہ کی رخصت لے کر تین دن کے لئے قادیان آجاتا۔ میرے بار بار قادیان آنے کے صرف دو مقصد ہوتے تھے۔ ایک حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا خطبہ جمعہ سننا، دوسرے حضرت میر صاحب رضی اللہ عنہ کا درس حدیث سننا۔ آپ کا درس حدیث کیا ہوتا تھا؟ اس کا لطف اور اس کا مزہ کیا تھا؟ بس وہی اس کا اندازہ کر سکتے ہیں جنہوں نے وہ درس سنا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام یا ذکر آتے ہی آپ کی آنکھیں فرطِ محبت سے ڈبڈبا آتیں اور نہایت ہی محبت بھرے الفاظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تازہ کرتے اور آپ کے مناقب عالیہ بیان فرماتے اور سامعین کے دل بھی محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گرماتے۔

عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور درسِ حدیث میں اس عشق کا کھلم کھلا اظہار حضرت میر صاحب رضی اللہ عنہ کی سیرت کا ایک نمایاں وصف تھا۔

حضرت میر صاحبؓ مدرسہ احمدیہ کے اساتذہ و طلبہ کی معیت میں اکثر تتلے کی نہر پہ جا کر ٹرپ منایا کرتے تھے۔ وہیں نمازیں بھی ادا ہوتیں جن کے بعد حضرت میر صاحبؓ تفریح کرنے والوں کے سامنے روحانی مائدہ بھی پیش کرتے اور تقریر فرماتے۔ مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ ایک تقریر میں آپ نے نہر پر ٹرپ منانے کی اصل غرض و غایت بیان کی۔ آپ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنائی کہ لستُ من دَدٍ ولا الددُ منّی یعنی لہو و لعب کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی میرا لہو و لعب سے کوئی تعلق ہے۔

نہر پر آپ کی مجلس میں خوب لطائف و ظرائف بھی بیان کئے جاتے۔ الغرض ہماری وہ ٹرپ نہ صرف جسمانی تفریح کا موجب ہوتی بلکہ روحانی غذا بھی مہیا کرتی۔

کئی بار حضرت میر صاحبؓ کی معیت میں مختلف گاؤں میں تبلیغی جلسوں پہ جانے کا بھی اتفاق ہوا جن میں آپ اکثر نوجوانوں سے تقریریں کرواتے۔

الغرض اپنی بے شمار صفاتِ حسنہ کے باعث آپ لاریب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ممتاز ترین صحابہ میں سے تھے اور ایک جید عالم باعمل اور نوجوانوں کے لئے ایک جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مولوی عبد الکریم صاحب سیالکوٹی رضی اللہ عنہ کے متعلق جو یہ شعر لکھا تھا وہ آپ پر بھی چسپاں ہوتا ہے ؎

گرچہ جنسِ نیکواں ایں چرخ بسیار آورد ٭ کم بزاید مادرے با ایں صفا دُرِّ یتیم

اللہ تعالیٰ کی آپ پر کروڑہا رحمتیں اور برکات ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور احمدیت کی آنے والی نسلوں کو ان بزرگانِ سلف کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین یا ارحم الراحمین ٭

حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ کے متعلق چند باتیں

(از حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب فاضل امیر جماعت احمدیہ قادیان)

(۱)

مجھے معلوم ہوا ہے کہ مکرم مولانا ابو العطاء صاحب رسالہ "الفرقان" کا حضرت میر محمد اسحٰق صاحب نمبر شائع

کو رہے ہیں۔ چونکہ خاکسار کے ماموں حضرت شیخ حافظ حامد علی صاحبؓ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پرانے خدمت گزار تھے اسلئے ان کے طفیل خاکسار کو بھی بچپن ہی میں قادیان کی مقدس بستی میں آجانے کا شرف حاصل ہوا۔ ان ابتدائی دنوں میں جب میں ابھی بچہ ہی تھا تو اپنی ممانی صاحبہ کے پاس دار المسیح میں آیا جایا کرتا تھا۔ حضرت میر صاحب مرحوم رضی اللہ عنہ قریباً میرے ہم عمر ہی تھے اسلئے حضرت اُم المومنین نور اللہ مرقدہا کے صحن میں ہم سب اکٹھے ہی کبڈی وغیرہ کھیلا کرتے تھے۔ حضرت میر صاحبؓ شروع ہی سے بڑے ذہین اور سمجھدار تھے۔ آپ نے ہم لوگوں کی طرح نہ تعلیم الاسلام سکول میں اور نہ ہی مدرسہ احمدیہ میں باقاعدہ طور پر تعلیم پائی بلکہ آپ نے گھر ہی میں پرائیویٹ طور پر بعض اساتذہ و حضرت مولانا نور الدین خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ سے تعلیم حاصل کی۔ اور اپنی ذاتی قابلیت اور غیر معمولی ذہانت کے سبب جلد جلد علوم کو اخذ کر لیا۔ حتیٰ کہ جب میں مدرسہ احمدیہ میں پڑھتا تھا تو دیگر اساتذہ میں سے حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ بھی ہمارے استاد تھے اور بڑی خوبی سے آپ اپنے مقررہ نصاب کو پڑھاتے تھے۔!!

(۲)

حضرت میر صاحب رضی اللہ عنہ اپنی عمر کے آخری ایام میں جب مدرسہ احمدیہ کے ہیڈ ماسٹر تھے آپ رضؓ کو ایک خطرناک بیماری لاحق ہوئی۔ آپ کی ناک سے پانی کے قطرے گرتے رہتے تھے۔ آپ کے بڑے بھائی حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب رضی اللہ عنہ نے اس کی تشخیص اور اس کی وجہ دریافت کرنے کے لئے بہتیری کوشش کی مگر معلوم نہ ہو سکی۔ ایک روز حضرت میر صاحبؓ نے سکول ہی میں مجھے اپنے پاس بلایا اور اپنا سر جو نیچے کیا تو میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ آپ کی ناک سے ٹپ ٹپ پانی کے قطرے گرنے لگے۔ فرمایا بس یہی بیماری ہے جس کی وجہ سے مجھے سخت تکلیف ہے پتہ نہیں لگ رہا کہ یہ پانی کہاں سے آرہا ہے۔ آپ اپنی اس تکلیف کے باعث اکثر ہاتھ میں رومال رکھتے تھے اور غالباً آپ کی وفات بھی اسی بیماری کا شاخسانہ تھی۔

(۳)

حضرت میر صاحبؓ ایک لمبا عرصہ ناظر ضیافت رہے۔ سالانہ جلسوں کے موقعہ پر تمام مہمانان کرام کے قیام طعام کا کام حضرت میر صاحبؓ ہی کی عمومی نگرانی میں ہوتا تھا اور ہر سال خاکسار کو آپ کے ساتھ کام کرنے کا موقعہ ملتا رہا۔ میں نے اِس بات کو خاص طور پر نوٹ کیا کہ ایام جلسہ میں حضرت میر صاحب کسی وقت بھی اُس وقت تک خود کھانا نہ کھاتے جب تک یہ رپورٹ نہ آجاتی اور آپ کو اس بات کی اچھی طرح تسلی نہ ہو جاتی کہ تمام مہمانوں نے کھانا کھا لیا ہے۔ چنانچہ خاکسار اور مکرم ملک محمد طفیل خان صاحب مرحوم مدرس مدرسہ احمدیہ آپ کی زندگی میں اور اسکے بعد جب تک ہمارے سپرد ایسا کام رہا حضرت میر صاحبؓ کے اُسوۂ حسنہ پر عمل کرتے رہے۔ اور حضرت میر صاحب مرحومؓ کا یہ طریق بھی درحقیقت سنتِ نبویؐ کی اقتدا ہی تھی۔ جیسا کہ روایات سے یہ امر ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسے مواقع

پر دوسرے دوستوں کے کھانا کھا لینے کے بعد خود کھانا تناول فرماتے۔ صَلَّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

(۴)

حضرت میر صاحبؓ کی وفات سے کچھ عرصہ قبل ایک دفعہ موضع بھامڑی متصل ہرچووال میں احمدیوں کا ایک جلسہ ہوا جس میں قادیان سے بھی بہت سے لوگ گئے۔ حضرت میر صاحب مرحومؓ امیر قافلہ تھے۔ قادیان سے عام دوستوں کے علاوہ مدرسہ احمدیہ کے طلباء اور سلسلہ کے بعض عہدیداران بھی تھے۔ اس موقعہ پر غیر احمدیوں کی طرف سے گڑبڑ ہوئی اور سنگ باری تک نوبت پہنچی۔ حضرت میر صاحبؓ نے تمام دوستوں کو حکم دیا کہ وہ اُن کے ساتھ آجائیں۔ مَیں نے دیکھا کہ جن لوگوں نے آپ کے حکم کی اطاعت میں اس رستہ کو اختیار کر لیا وہ مخالفین کے شر سے بہت حد تک محفوظ رہے لیکن جن دوستوں نے دوسرا رستہ اختیار کیا وہ مخالفین کی دست درازی سے نہ بچ سکے۔!!

(۵)

موضع بھامڑی میں اسی گڑبڑ کے نتیجہ میں فریقین پر ایک دوسرے کے خلاف مقدمہ دائر ہوگیا جس میں ۱۵/۱۶ احمدیوں کو ملزم گردانا گیا۔ حضرت میر صاحب مرحومؓ اور خاکسار بھی انہیں میں تھے۔ چنانچہ اس مقدمہ کی تاریخ کیلئے ہمیں گورداسپور اور دھاریوال جانا پڑتا تھا۔ ہم صبح کی گاڑی قادیان سے چل کر بٹالہ اُتر جاتے اور پٹھانکوٹ کی گاڑی کے لئے اسٹیشن کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد میں آرام کرتے جو بابو محمد شریف صاحب احمدی مرحوم کے آباؤ اجداد نے بنوائی ہوئی تھی۔ اسی جگہ صبح کا ناشتہ بھی کرتے۔ اُن دنوں قادیان سے یہ گاڑی منہ اندھیرے ہی روانہ ہوتی تھی۔ اسلئے ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ مسجد میں حضرت میر صاحبؓ نے جو امیر قافلہ ہوتے تھے آنے والوں کی گنتی کی تو معلوم ہوا کہ ۵ آدمی زیادہ آئے ہیں۔ اس پر آپ نے مجھے حکم دیا کہ اسٹیشن سے اتنے ٹکٹ بٹالہ تا قادیان لائے جائیں۔ چنانچہ ٹکٹ آنے پر آپ نے ان کو اپنے ہاتھ سے پھاڑ دیا اور فرمایا چونکہ یہ دوست گاڑی پر سواری کر چکے ہیں اور محکمہ ریل نے پوچھا نہیں مگر سرکار کو اس کا حق ملنا چاہیئے!!

(۶)

اسی مقدمہ کے دوران میں ایک دفعہ جبکہ حضرت میر محمد اسحٰق صاحب کی شہادت ہمارے فریق مخالف کے خلاف ہو رہی تھی تو ایک ایسی بات جس سے فریق ثانی پر حرف آتا تھا وکیل مخالف کے سوال کرنے پر حضرت میر صاحبؓ نے بتائی۔ تب فریق مخالف کے وکیل نے آپ پر جرح کی کہ یہ بیان آپ نے پولیس میں کیوں نہیں دیا تھا کیونکہ آپ کے پولیس کے بیانوں میں یہ نہیں ہے۔ جواب میں آپ نے فرمایا۔ مَیں تو اب بھی عدالت میں یہ بیان دینے کیلئے تیار نہ تھا لیکن آپ لوگوں نے پوچھا ہے تو مجھے مجبوراً جواب دینا پڑا ورنہ مَیں قطعاً بیان نہ کرتا۔

حضرت میر محمد اسحٰق صاحب رضی اللہ عنہ کا وصال

(از جناب شیخ رحمت اللہ صاحب شاکر)

چل بسا ہے آہ! وہ اسلام کا بطلِ جلیل
عالموں میں آج مل سکتا نہیں جس کا مثیل

حجّتِ حق تھا وجود اس کا مخالف کے لئے
اور مسیحائے زماں کے صدق پر روشن دلیل

عاشقِ صادق خدا کا اور رسُول اللہ کا
جو مسیحِ پاک سے رکھتا تھا الفت بے عدیل

پیکرِ علم و عمل اور ماہرِ ضبط و نظام
زندگی کا اُس کی ہر پہلو ہے دلکش اور جمیل

کام سے ہی کام تھا بس رات دن صبح و مسا
عمر تھوڑی اور ہے فہرست کاموں کی طویل

خوبیاں اُس کی رہیں گی تا قیامت یادگار
ہو گیا ہے گرچہ وہ خود باغِ جنّت میں نزیل

دل ہیں گو غمگیں مگر راضی ہیں اے پیارے خدا
کون ہے جو ہو سکے تیری مشیّت میں دخیل

حضرت میر محمد اسحٰق صاحب رضی اللہ عنہ کے محاسن کا تذکرہ!

جماعت احمدیہ کے بزرگوں کی زبان سے

[حضرت میر محمد اسحاق صاحب رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد جماعت احمدیہ قادیان کے پہلے جلسہ تعزیت میں آپ کے متعلق جن پاکیزہ خیالات کا اظہار جماعت کے بزرگوں نے کیا وہ اخبار الفضل کی رپورٹ سے بطور خلاصہ درج ذیل ہے۔ (عطاء المجیب راشد)]

۱۔ حضرت چودھری فتح محمد صاحب سیال ایم۔اے رضؓ نے فرمایا:۔

"میر صاحب مرحوم نہایت ذکی فہیم اور صائب الرائے انسان تھے۔ مجھے اُن پر اتنا اعتماد تھا کہ جس مجلس میں وہ موجود ہوتے تھے اس میں بے فکر رہتا کیونکہ میں سمجھتا تھا کہ آج ہم جو فیصلہ کریں گے وہ درست ہوگا۔"

۲۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضؓ نے فرمایا:۔

"آپ نہایت ذہین اور عقلمند انسان تھے۔ آپ کی تربیت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان میں ہوئی تھی اور اُن میں اور حضور علیہ السلام کے بیٹوں میں کوئی فرق نہ کر سکتا تھا۔۔۔۔۔۔ بہت بردبار اور متحمل انسان تھے۔۔۔۔۔۔۔ مجلس میں ہمیں ان پہ اتنا اعتماد تھا کہ میں تو کئی بار کہا کرتا تھا کہ میر صاحب آپ لکھتے جائیں ہم دستخط کر دیں گے۔"

۳۔ جناب ملک غلام فرید صاحب ایم۔اے نے فرمایا:۔

"مرحوم بڑی عظمت کے مالک تھے۔۔۔۔۔۔۔ مرحوم بہت بڑے خطیب اور مقرر تھے۔۔۔۔۔۔۔ میں نے خود حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ سے سُنا کہ کوئی قابل سے قابل آدمی بھی اگر قرآن مجید پر اعتراض کرے تو میں اُسے دو منٹ میں خاموش کرا سکتا ہوں مگر میر محمد اسحاق صاحب جب مجلس میں بیٹھے ہوں تو میں بہت احتیاط سے بات کرتا ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔ آپ غریبوں کے بے حد ہمدرد تھے۔ ایک روز آپ احمدیہ چوک میں کھڑے تھے کہ دارالشیوخ کے بچے نماز کے لئے گزرے آپ نے مولوی علی محمد صاحب اجمیری سے فرمایا کہ مولوی صاحب یہ میرا باغ ہے اِن کی خدمت سے زیادہ میرے لئے خوشکن کام کوئی اور نہیں۔۔۔۔۔۔"

۴۔ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد نے فرمایا:۔

لنگر خانہ کے خرچ کو کم کرنے کے سلسلہ میں ایک کمیٹی بنائی گئی تھی۔ مولانا درد صاحب نے فرمایا۔
"کمیٹی نے جانچ پڑتال کی اور بعض لوگوں کے متعلق کہا کہ یہ نہ غرباء میں داخل ہیں اور نہ مہمان ہیں۔ یہ لنگر خانہ سے کیوں کھانا کھاتے ہیں؟ میر صاحب نے فرمایا۔ آپ لوگ جو فیصلہ کریں گے اس کی میں تعمیل کروں گا مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اپنے آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لنگر سے کسی کا کھانا بند کر دوں۔"

۵۔ جناب سید ولی اللہ شاہ صاحب ناظر امور عامہ نے فرمایا:۔

"مرحوم کی قوت گویائی زبردست تھی۔ جب بات کرتے تو معقولات نہ صرف مجسم صورت میں ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتے۔ بلکہ جذبات بھی آپ کی آنکھوں سے آب رواں بن کر بہہ پڑتے۔ اور دوسرے دلوں میں وہی اثر پیدا کر دیتے جو آپ کے دل میں ہوتا۔"

۶۔ جناب مولوی ابوالعطاء صاحب جالندھری نے فرمایا:۔

"حضرت سیدہ اُمّ طاہر احمدؓ کی تدفین کے موقعہ پر بہشتی مقبرہ میں ہی حضرت میر صاحبؓ نے مجھے فرمایا۔ کہ آج رات کے جلسہ میں سیدہ اُمّ طاہر احمدؓ کی وفات کے متعلق بھی تقریر کریں اور جماعت کے جذبات کا اظہار کریں۔ چنانچہ ۷ر مارچ کی شب کو حضرت میر صاحبؓ کی صدارت میں یہ تقریر ہوئی۔ مگر کسے معلوم تھا کہ یہ مبارک انسان بھی بہت جلد ہم سے جدا ہونے والا ہے اور ہم دو ہفتے کے اندر اندر اس کی وفات پر افسردہ ہوں گے . . . .
. . . . میرے نزدیک . . . . وہ باطل و غلط عقائد کے خلاف ننگی تلوار تھے۔ اور خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ذکر کے موقعہ پر رَجُلٌ بَكَّاءٌ (بہت گریہ کرنے والے انسان تھے۔"

(الفضل قادیان مؤرخہ ۲۹ر مارچ ۱۹۴۷ء صفحہ ۲)

حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کی خودنوشت
مختصر سوانح حیات

استاذی المحترم حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل مدیر "الفرقان"

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

افسوس آپ کے ارشاد کی تعمیل میں "حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ نمبر" کے لئے کچھ لکھ نہیں سکا البتہ خود حضرت میر صاحب رضی اللہ عنہ کے قلم مبارک کی لکھی ہوئی ایک مختصر مگر نہایت ایمان افروز سوانح حیات ارسال خدمت ہے جو (سنہ ۱۹۲۰ء میں) رسالہ "جامعہ احمدیہ" میں شائع ہوئی تھی۔

ناچیز خادم

دوست محمد شاہد

"میری پیدائش ۵ ستمبر سنہ ۱۸۹۰ء کو بمقام لدھیانہ ہوئی۔ جہاں حضرت والد صاحب مرحوم سرکاری ملازم تھے۔ غالباً سنہ ۱۹۰۲ء کے بعد سے مستقل سکونت قادیان میں ہے۔ قیام حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں آپ کے دار میں تھا۔ بچپن سے ۱۸ سال کی عمر تک حضرت مسیح موعودؑ کے روز و شب کے حالات مشاہدہ میں آئے اور اب تک قریباً اسی طرح ذہن میں محفوظ ہیں۔ گورداسپور، بٹالہ، لاہور، سیالکوٹ اور دہلی کے سفروں میں ہمرکاب ہونے کا فخر حاصل ہے۔ آخری بیماری کی ابتداء سے وصال تک حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاء کے پاس رہا۔ حضورؑ نے متعدد مرتبہ مجھ سے لوگوں کو خطوط کے جوابات لکھوائے۔ حقیقۃ الوحی کا مسودہ مختلف جگہوں سے فرماتے گئے اور میں لکھتا گیا۔ روزانہ سیر میں آپ کے ساتھ جانا اور جانے کے اہتمام مثلاً قضاء حاجت و وضو کا انصرام اور ہاتھ میں رکھنے کی چھڑی تلاش کر کے دینے سے سینکڑوں دفعہ مشرف ہوا۔ آپ کی کتابوں میں بیسیوں جگہ میرا ذکر ہے۔ آپ کے بہت سے نشانوں کا عینی گواہ ہوں اور بہت سے نشانوں کا مورد بھی ہوں۔ جن دنوں حضورؑ باہر مہمانوں کے ساتھ کھانا کھایا کرتے تھے دونوں وقت میں بھی شریک ہوتا تھا۔ مجھے یاد ہے ہم عربی میں اسقنی الماء کہہ کر پانی مانگا کرتے تھے۔ بچپن میں بیسیوں دفعہ ایسا ہوا کہ حضورؑ نے مغرب و عشاء اندر عورتوں کو جماعت سے پڑھائیں میں آپ کے دائیں طرف کھڑا ہوتا تھا۔ عورتیں پیچھے کھڑی ہوتیں۔ غالباً میں پیدائشی احمدی

ہوں۔ نہایت چھوٹی عمر سے اب تک حضورؑ کے دعاوی پر ایمان ہے۔ آپ کے وصال کے بعد حضرت مولوی نورالدین صاحب کو دل سے صدیق اکبر اور سچا خلیفہ تسلیم کیا۔ حضرت خلیفہ اوّل سے بچپن سے نہایت بے تکلفی اور محبت و پیار کا تعلق تھا۔ ان کی وفات پر سچے دل سے صاحبزادہ محمود احمد صاحب کو خلیفہ ثانی سمجھا اور سمجھتا ہوں۔ باقاعدہ اور بے قاعدہ مولوی عبدالکریم صاحب، حافظ روشن علی صاحب، مولوی سرور شاہ صاحب، مولوی محمد اسمٰعیل صاحب اور حضرت خلیفہ اوّل سے عربی علوم کے پڑھنے کی کوشش کی۔ ۱۹۱۱ء میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۱۲ء میں صدر انجمن احمدیہ قادیان کی ملازمت میں داخل ہوا۔ جامعہ احمدیہ کے قیام سے قبل مدرسہ احمدیہ میں مدرس تھا۔ اب جامعہ احمدیہ میں پڑھاتا ہوں۔ اس ملازمت کے علاوہ بعض اور کام بھی خلافت ثانیہ میں سلسلہ کے سرانجام دینے کی کوشش کرتا رہتا ہوں۔ حضرت مسیح موعودؑ کے وجود سے جو شرف حاصل ہوتے وہ اسلئے لکھے ہیں کہ ابتداء اچھی ہے پڑھنے والے دعا کریں کہ انتہا بھی ایسی اچھی ہو کہ

عروسی بود نوبت ماتمت ❊ اگر بر نکوئی بود خاتمت"

(منقول از رسالہ "جامعہ احمدیہ" قادیان۔ سالنامہ دسمبر ۱۹۳۰ء صفحہ ۴۲)

حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کی ذریت صالحہ

استاذی المحترم حضرت میر محمد اسحاق صاحب رضی اللہ عنہ کے بچوں اور بچیوں کے نام، ان کی عمریں اور اسوقت ان کے بچے حسب ذیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ان سب کو اپنے فضلوں سے نوازتا رہے اور انہیں لمبی عمریں عطا فرما کر خدمت دین کی بہترین توفیق بخشے۔ آمین:-

(۱) سیدہ نصیرہ بیگم صاحبہ۔ بیگم جناب مرزا عزیز احمد صاحب ایم۔ اے ربوہ۔ عمر پچاس سال۔ بچے چھ
(۲) سیدہ سعیدہ بیگم صاحبہ۔ " " ملک عمر علی صاحب امیر جماعتہائے ضلع ملتان۔ " اکتالیس سال۔ " "
(۳) سیدہ بشریٰ بیگم صاحبہ۔ " " سید سعید احمد صاحب لاہور۔ " انتالیس سال۔ " پانچ
(۴) سید داؤد احمد صاحب بی۔ اے شاہد۔ پرنسپل جامعہ احمدیہ ربوہ۔ " سینتیس سال۔ " تین
(۵) سید مسعود احمد صاحب مولوی فاضل نائب وکیل الدیوان تحریک جدید۔ " چونتیس سال۔ بچہ ایک
(۶) سید محمود احمد صاحب مولوی فاضل شاہد۔ پروفیسر جامعہ احمدیہ۔ " بتیس سال۔ بچے دو
(۷) سیدہ آنسہ بیگم صاحبہ۔ بیگم مکرم محمود شوکت صاحب راولپنڈی۔ " تیس سال۔ بچے دو

۲۰/۹/۶۱ (خاکسار ابوالعطاء جالندھری)

حضرت میر محمد اسحٰق صاحب رضی اللہ عنہ کی یادیں

(از جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ لائل پور)

حضرت میر صاحب مرحوم کے اخلاق و اوصاف اور آپ کا علم و فضل ہماری تعریف سے مستغنی ہے۔ جو شخص بھی آپ کے پاس بیٹھتا یا آپ کی بات سنتا آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔ چند باتیں خاکسار کو یاد ہیں جو درج ذیل ہیں:-

(۱) حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کا زمانہ تھا۔ میرے محترم دوست منشی عبدالسمیع صاحب صحابی کپور تھلوی کی دعوت پر میر صاحب کپور تھلہ تشریف لائے۔ حضرت مولوی محمد اسماعیل صاحب فاضل آپ کے ساتھ تھے۔ ہمیں آپ کی تشریف آوری سے حد درجہ مسرت ہوئی۔ جمعہ کا خطبہ میر صاحب نے پڑھا۔ رب اشرح لی صدری الخ موسیٰ علیہ السلام کی دعا کا فلسفہ اور تفسیر آپ نے ایسے دلکش انداز میں بیان فرمائی کہ آج تک مجھے وہ خطبہ یاد ہے گو اس واقعہ پر اڑھتالیس سال کے قریب گزر چکے ہیں۔

آپ کی تحریر اور تقریر نہایت برجستہ، جامع اور دلنواز ہوتی تھی اور انداز بیان ایسا مربوط اور پُر دلائل کہ لفظ لفظ سامع کے ذہن میں اُترتا چلا جاتا۔ اور اگر کوئی چاہے تو ساری تقریر کو یاد کر لے۔ ہر بات کو منطقی دلائل سے ثابت کرنا، کلام کو مسلسل اور مربوط رکھنا اور غیر متعلق باتوں سے بکلی پاک رکھنا آپ کی تحریر و تقریر کو سلک مروارید بنا دیتا تھا۔

(۲) ہندوؤں کے مایۂ ناز فلسفہ اور منطق کے جواب میں آپ کی کتاب "حدوث روح و مادہ" اسلامی فلسفہ اور علم کلام کی آئینہ دار ہے اور لاجواب کتاب ہے۔

علم مناظرہ میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ ایسے دو ٹوک، مختصر، مسکت اور جامع و مانع دلائل پیش فرماتے کہ مخالف نرغے میں آجاتا اور بات کو طول نہ دے سکتا۔ ورنہ مناظرے عام طور پر اِدھر اُدھر کی باتوں سے طویل ہو جایا کرتے ہیں۔

(۳) آپ کا درس حدیث ایک امتیازی شان رکھتا تھا۔ سوز و گداز اور ذوق و شوق سے بھرپور گویا سامعین کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک مجلس میں پہنچا دیتا۔ ارشادات نبوی کی حکمتیں اور باریک باریک معارف آپ ایسے دلنشیں انداز میں بیان فرماتے کہ سامع کی توجہ ایک سیکنڈ کے لئے بھی منتشر نہ ہوتی اور یہی جی چاہتا کہ آپ بولتے رہیں اور ہم سنتے رہیں۔ اس درس میں آپ پر ایک ربودگی اور وجد کی کیفیت طاری

ہوتی اور سُننے والا متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا ؎

سخن کز دل بروں آید نشیند لاجرم بر دل

(۴) میر صاحب میں انتظامی قابلیت بدرجۂ اتم موجود تھی۔ آپ لنگر خانہ کے افسر اور منتظم تھے اور نہایت متواضع اور منکسر المزاج مہمان نواز۔ مہمان کی دلداری کرنا اور اس کی نفسیاتی کیفیت کا اندازہ لگانا آپ کا خاص وصف تھا۔ خاکسار بزمانہ طالب علمی ایک دفعہ مہمانخانہ قادیان میں ٹھہرا ہوا تھا۔ مہمانخانے کے ایک خادم نے نووارد جان کر مجھ سے پوچھا کہ آپ کیا کھائیں گے؟ اس سوال سے میرے چہرے پر ملال کے آثار ظاہر تھے۔ میر صاحب نے جو پاس ہی کھڑے تھے فوراً بھانپ لیا اور خادم سے کہا ان سے کچھ نہ پوچھو۔ جس برتن میں انہیں ڈالو گے یہ اسی میں پڑ جائیں گے۔ میر صاحب کے یہ الفاظ آج تک میرے لئے خوشی کا باعث ہیں۔

(۵) آپ کے ماتحت آپ سے بے حد اخلاص و محبت رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ مہمانوں کو کھانا کھلانے کے بعد کھانا باقی نہ رہا۔ دو باورچی ابھی کھانا نہ کھا سکے تھے اور صرف ایک آدمی کے لئے کھانا باقی تھا۔ میر صاحب نے فرمایا دوسرے باورچی کو کھانا کھلانا کوئی ضروری نہیں۔ کسی نے اس دوسرے باورچی کو بتایا کہ میر صاحب نے تمہارے لئے کھانا رکھنے کی پرواہ تک نہیں کی۔ دوسرا باورچی اس بات سے بہت خوش ہوا اور اس نے کہا کہ تم میر صاحب کی بات کو نہیں سمجھ سکے ان کا مطلب یہ تھا کہ دوسرا باورچی یعنی میں ان کا اپنا آدمی اور مخلص ہوں۔ اگر مجھے کھانا نہ بھی ملا تو شکایت نہیں کروں گا۔ اور میں میر صاحب کی اس ذرہ نوازی سے مسرور ہوں۔

جو شخص اپنے ماتحتوں کے اندر یہ احسان شناسی، ایثار اور محبت کے جذبات پیدا کر دے۔ اس کے حسن سلوک اور اعلیٰ اخلاق کا آپ خود اندازہ لگائیں۔

(۶) قادیان کے قریب بھامبڑی نامی ایک گاؤں ہے ۱۹۳۴ء کی بات ہے کہ وہاں باوجود مخالفین کی مزاحمت کے احمدیوں کا جلسہ کامیابی سے ہو گیا۔ اختتام جلسہ پر مخالفین نے احمدیوں پر حملہ کیا اور کوٹھوں پر سے خشت باری کی۔ بڑا نازک وقت تھا۔ میر صاحب نے احمدیوں کو ہاتھ اٹھانے سے روک دیا اور راستے پر ایک لکیر کھینچ دی کہ کوئی احمدی اس سے آگے نہ بڑھے۔ باوجود خشت باری کے آپ وہاں کھڑے رہے اور تدبیر، حکمت اور شجاعت سے احمدیوں کو اس فسادگاہ سے سلامت نکال لائے۔ گو احمدیوں پر حملہ ہوا تھا مگر پولیس نے بالمقابل دونوں فریق پر مقدمہ قائم کر دیا اور میر صاحب کو بھی مستغاث علیہ گردان لیا گیا۔ اس مقدمہ کے سلسلہ میں چند باتیں قابل ذکر ہیں جو میر صاحب کی سیرت کو واضح کرتی ہیں:۔

(الف) ہم چند وکلاء مقدمہ کی پیروی کرتے تھے۔ دھاریوال یا گورداسپور میں پیشی ہوتی تھی۔ دوران مقدمہ میں رمضان شریف آگیا۔ میر صاحب فجر کی نماز کے بعد مسجد اقصیٰ قادیان میں درس دیکر بذریعہ موٹر دھاریوال پہنچ جاتے۔ باوجود مقدمہ کی پیشی کے آپ نے درس میں ناغہ نہ ہونے دیا۔

(ب) چونکہ میر صاحب کی واپسی قادیان کو ہر روز ہو جاتی تھی اسلئے آپ خود روزہ رکھتے تھے اور احمدی وکلاء کے لئے جو بوجہ مسافرت روزہ نہ رکھ سکتے تھے قادیان سے دوپہر کا کھانا پکوا کر اپنے ہمراہ لاتے تھے۔

(ج) فریق مخالف کے بعض اشخاص کو میر صاحب بڑی مہربانی سے عدالت سے باہر اپنے پاس بٹھاتے، انہیں تبلیغ وتلقین کرتے اور کسی قسم کا بغض وکینہ آپ کی طبیعت میں نہ تھا۔

(د) فریق ثانی کے وکیل نے میر صاحب پر جرح کی اور یہ سوال بھی کیا کہ کھامبڑی والوں نے آپ کے جلسے میں مزاحمت کی اسلئے آپ کے دل میں ان کے خلاف غم وغصہ ضرور پیدا ہوا ہوگا؟ میر صاحب نے برجستہ جواب دیا کہ غم وغصہ نہیں بلکہ رحم اور ہمدردی کے جذبات میرے دل میں آپ کے موکلوں کے لئے پیدا ہوئے۔ اس جواب سے مجسٹریٹ متبسم اور محظوظ ہوا اور وکیل فریق ثانی شرمسار۔

(ھ) مجسٹریٹ میر صاحب سے باادب پیش آتا تھا لیکن خاکسار نے دیکھا کہ میر صاحب جب عدالت کے کمرے میں داخل ہوتے تو تین چار منٹ تک ملزمان کے کٹہرے میں اکیلے اور رنجیدہ سے ہو کر کھڑے رہتے۔ ہم سب بھی تعظیماً کھڑے رہتے حتیٰ کہ میر صاحب کٹہرے سے باہر نکلتے اور پھر ہم سب کرسیوں پر بیٹھ جاتے۔ یہ ماجرا میں نے کئی بار دیکھا لیکن میری سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ میر صاحب ایسا کیوں کرتے ہیں۔ آخر ایک دن میں نے میر صاحب سے اس کا سبب دریافت کیا۔ آپ چشم پر آب ہوگئے۔ فرمانے لگے کہ آتمارام مجسٹریٹ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو عدالت میں کھڑا رہنے پر مجبور کیا اسلئے جب کبھی مجھے عدالت میں جانے کا اتفاق ہوتا ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یاد میں چند منٹ میں بھی اسی طرح کھڑا رہتا ہوں۔

میر صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عزیز تھے اور آپ نے حضور کے دامن تربیت میں پرورش پائی تھی اور نہایت قریب سے حضور کو دیکھا تھا۔ اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت میر صاحب کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کس قدر عشق ومحبت اور وابستگی تھی ؎

ذوقِ این بادہ ندانی بخدا تا نچشی ؏

میر محمد اسحاقؓ

(جناب آفتاب احمد صاحب بسمل - کراچی)

میر اسحاقؓ وہ شیدائے رسولِ عربی
حرزِ جاں جس کا تھا قرآن و احادیث نبیؐ

وقف تھا جس کا ہر اک لمحہ برائے اسلام
ہر نفس جس کا تھا اک موت پئے بولہبی

پیکرِ علم و عمل، مخزنِ عرفان و یقین
منبعِ فہم و ذکا، واقفِ اسرارِ نبیؐ

علمِ قرآں کا وہ قلزم ناپیدا کنار
بن گیا مہبطِ انوارِ رسولِ عربیؐ

مہدیٔ پاک سے نسبت ملی بھائی کی جسے
باعثِ ناز نہ کیوں اس کی ہو عالی نسبی

علم و عرفان کے اس چشمۂ فیضان سے جو
آکے سیراب ہوا جاتی رہی تشنہ لبی

خدمتِ دین میں مصروف رہا شام و سحر
نہ نمائش کی تمنا نہ وجاہت طلبی

دن کو قرآن و احادیث کا درس اس کی غذا
درگہِ حق میں وہ گریہ وہ مناجاتِ شبی

مختصر یہ کہ وہ تھا مومنِ کامل بسملؔ
زندگی اس کی تھی پابندیٔ احکامِ نبیؐ

حضرت میر محمد اسحٰق صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکرِ خیر

(از جناب مولوی برکات احمد صاحب راجیکی بی۔ اے واقفِ زندگی۔ قادیان)

(۱)

"میں نے تو یہ پودے لگائے ہیں"

کسی قوم یا جماعت کی ترقی اور اس میں قربانی کی روح کو قائم رکھنے کے لئے یہ امر نہایت ضروری ہوتا ہے کہ اس کے یتامیٰ اور مساکین کی دیکھ بھال اور ان کی ضروریات کے پورا کرنے کا انتظام کیا جائے۔ حضرت میر صاحبؓ نے جماعت کے اس اہم فریضہ کو جس شاندار اور مربیانہ طریق پر ادا کیا وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ بیسیوں یتامیٰ اور مساکین آپ کے زیرِ تربیت و نگرانی پروان چڑھے اور آج انہی میں سے بہت سے احمدیت کے علمی اور روحانی آسمان پر جگمگا رہے ہیں اور احمدیت کے آسمانی نور کو اکناف عالم میں پہنچانے کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ حضرت میر صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعلق ان سب نادار بچوں سے ایک مشفق باپ کی طرح تھا۔ یہ نظارہ کبھی نہیں بھول سکتا کہ کس طرح حضرت میر صاحبؓ موسمِ سرما کے شروع ہونے سے پہلے قادیان کے بعض محلوں میں تشریف لے جاتے اور مساجد میں نہایت پُرتاثیر اور درد بھرے لہجہ میں ان نادار اور ضرورتمند طلباء اور دیگر مساکین کا ذکر کرتے اور ایسے اندازِ بیان سے جو احباب کے دلوں میں دھنس جانے والا ہوتا ان بچوں اور ضرورتمند اصحاب کی ضروریات اور احباب کے ان کے بارے میں فرائض کو یاد دلاتے۔ اس وقت خود آپ کی آنکھیں بھی اشکبار ہوتیں اور سننے والے بھی سوز و درد سے بے حال ہو جاتے اور آپ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے لحاف، کپڑے اور نقدی کی صورت میں پیشکش کرتے۔ آپ کی آواز اور اندازِ بیان میں کچھ ایسا اثر ہوتا کہ کئی دوست اپنی ضرورتوں کو پس پشت ڈال کر بھی غرباء اور مساکین کو امداد دینا اپنا مقدس فرض سمجھتے۔ اس تعلق میں ایک بات قابلِ ذکر ہے کہ ایک دفعہ حضرت میر صاحبؓ مع حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیالؓ اور حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب، محترم شاہ صاحب کی کوٹھی کے پاس کھڑے تھے۔ محترم شاہ صاحب نے فرمایا کہ میں نے اپنی کوٹھی کے پائیں باغ میں اس اس قسم کے پودے اور پیڑ لگائے ہیں۔ اور محترم چوہدری صاحبؓ نے بھی اپنی کوٹھی کے باغ کے آموں اور امرود کے پیڑوں کا ذکر کیا۔ عین اس وقت دار الشیوخ کے چند یتیم و مسکین طلباء جن میں سے بعض

نابینا بھی تھے سامنے سڑک سے گزرے۔ حضرت میر صاحبؓ نے ان بچوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے تو یہ پودے لگائے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کو سرسبز و شاداب رکھے اور پروان چڑھائے۔

(۲)

ایک پُر درد تقریر اور ایمان افزا تقریب

جب المصلح الموعود کے اعلان کے تعلق میں پہلا جلسہ بمقام ہوشیار پور ہوا تو قادیان کے قافلہ کے امیر حضرت میر صاحبؓ تھے۔ خاکسار اس وقت لاہور سے جلسہ میں شرکت کے لئے ہوشیار پور جا رہا تھا۔ جالندھر ریلوے سٹیشن پر حضرت میر صاحبؓ احباب جماعت کو اس مقدس جلسہ کے شایانِ شان مناسب ہدایات دے رہے تھے۔ چنانچہ آپ نے رات تین بجے سب احباب کو تہجد پڑھنے اور دُعائیں کرنے کے لئے بیدار کیا۔ آپ ہر دوست کے پاس خود تشریف لے جاتے اور نہایت محبت سے ان کو بیدار کر کے تہجد پڑھنے اور دُعائیں کرنے کی تلقین فرماتے۔ اس وقت قافلہ میں شاید ہی کوئی ہوگا جو حضرت میر صاحبؓ کی آواز پر بیدار ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور گریہ و زاری میں نہ لگ گیا ہو۔ آپ کی تلقین سے ہوشیار پور پہنچنے سے پہلے ہی سب قافلہ والے ایک نہایت مقدس، بابرکت اور دعا انگیز ماحول میں داخل ہو گئے۔

ہوشیار پور پہنچ کر حضرت میر صاحبؓ نے سرائے کے وسیع صحن میں ایک نہایت پُرتاثیر اور رُوح پرور تقریر فرمائی۔ جس کا لبِ لباب یہ تھا کہ جس وقت سیّدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مکّہ مکرمہ سے ہجرت کے لئے نکلے تو آپ کے ساتھ صرف ایک ساتھی یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ اور اس وقت ان دونوں مقدسین کے لئے حالات اس قدر پُرخطر اور جان لیوا تھے کہ ان کو اپنی جان بچانے کے لئے غارِ ثور میں پناہ لینا پڑی اور ان بے یار و مددگار مہاجرین کے لئے سوائے قادر و توانا خدا کے اور کوئی پرسانِ حال اور ساتھی نہ تھا لیکن چند سال بعد ہی اللہ تعالےٰ کی تائید و نصرت اس رنگ میں ظاہر ہوئی کہ فتح مکّہ کے وقت خدا تعالیٰ کا مظفر و منصور نبیؐ ایک ساتھی کے ساتھ نہیں بلکہ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ واپس مکّہ آیا۔ بالکل اسی واقعہ کے مشابہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا واقعہ ہے۔ حضور اپنے ابتدائی زمانہ میں خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت اسی شہر ہوشیار پور میں اپنے دو صاحبیوں، حضرت شیخ حامد علی صاحبؓ اور حضرت مولوی عبد اللہ صاحب سنوریؓ کے ساتھ گمنامی کی حالت میں چلّہ کشی کے لئے تشریف لائے۔ اس وقت آپ سے بہت کم لوگ واقف تھے۔ اس خلوت کی زندگی میں آپ نے جو دُعائیں اور التجائیں اپنے محسن خدا کے حضور کیں اُن کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت جوش میں آئی اور اللہ تعالیٰ نے اسلام کی حقانیت کو ظاہر کرنے کے لئے آپ کو ایک عظیم القدر بیٹے کی بشارت دی جسے حضورؑ نے اپنے اشتہار میں شائع فرمایا۔ آج

وہی موعود اور گرامی قدر فرزند ہوشیار پور کی اس سرزمین میں ہزار دل قدسی صفات پیروؤں کے ساتھ تشریف لایا ہے اور اس پاک وجود کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی تحمید و تمجید اور اسلام اور احمدیت کی حقانیت کا اظہار ہو رہا ہے۔

آپ کی تقریر کچھ ایسی پُر اثر اور درد سے بھری ہوئی تھی کہ آپ خود بھی اشکبار تھے اور آپ کے متبعین بالخصوص صحابہ کرام حضرت اقدس مسیح موعودؑ بھی نہایت درد و اضطراب اور زاری سے اس پُر تاثیر خطاب کو سن رہے تھے۔ اس واقعہ کو گزرے ہوئے بیس سال سے زائد عرصہ ہو چکا ہے لیکن حضرت میر صاحبؓ کے رُوح پرور کلمات آج بھی لوحِ دماغ پر منقوش ہیں۔

(۳)
تبلیغی ٹریننگ کلاس

۱۹۳۶ء میں خاکسار ایف۔ اے کا امتحان کپور تھلہ میں دیکر واپس قادیان آیا تو معلوم ہوا کہ حضرت میر صاحبؓ تبلیغی ٹریننگ کے سلسلہ میں ایک ماہ تک شام کے وقت ایک کلاس لیا کریں گے اور تبلیغی نوٹس لکھائیں گے چنانچہ خاکسار کو بھی ایک ماہ تک اس جماعت مبشرین میں تعلیم حاصل کرنے کا موقعہ ملا۔ اس وقت حضرت موصوف کے تبحرِ علمی، دقّتِ نظر اور وسعتِ معلومات کے متعلق ذاتی تجربہ حاصل ہوا۔ حضرت میر صاحبؓ نے یہ کام اپنے دیگر فرائض سے زائد طوعی طور پر اپنے ذمہ لیا تھا۔ لیکن آپ جس تعہد اور باقاعدگی سے اس کام کو سرانجام دیتے اور اپنی رہائش گاہ سے جامعہ احمدیہ کی عمارت میں تشریف لاتے اُن کا دلوں پر گہرا اثر پڑتا۔ آپ نے ایک ماہ میں بہت سے مسائل مزوریہ پر نوٹس لکھائے جو باوجود مختصر ہونے کے نہایت جامع اور کارآمد تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ نے کوزے میں دریا بند کر دیا ہے۔ آپ کی یہ مجلس نہ صرف ایک علمی خزانہ تھا بلکہ سامعین کے لئے روحانیت کا ایک اُبلتا ہوا چشمہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہر آن آپ کی پاک روح پر نازل ہوتی رہیں اور آپ کی اولاد و احفاد بھی اللہ تعالیٰ کی رحمتِ خاصہ کے مورد ہوں۔ آمین۔

(۴)
اپنے بچوں کی تربیت کا ایک واقعہ

مجھے یہ واقعہ بھی نہیں بھولتا کہ جب حضرت میر صاحبؓ اپنے خانزادے سید میر محمود احمد صاحب کو اسلامیہ کالج لاہور کے حبیبیہ ہال میں ایک Declamation Contest میں شمولیت کے لئے لاہور لائے

آپ کے ساتھ چند اور احباب بھی تھے۔ آپ جس محبت سے اپنے صاحبزادہ کو فنِ تقریر کے اصولوں اور طریق سے متعلق تفہیم کر رہے تھے اس کا آپکے صاحبوں پر بھی بہت اثر تھا۔ آپ کے ایک ایک جملے سے فنِ خطابت اور رُوحِ اسلام و احمدیت ظاہر ہو رہی تھی۔ اس وقت جہاں تک مجھے یاد ہے محترم مولینا ابو العطاء صاحب فاضل جالندھری مدیر "الفرقان" بھی ہمراہ تھے۔ جب تقریر کا مقابلہ شروع ہوا اور آپ کے صاحبزادہ میر محمود احمد صاحب سٹیج پر آئے تو ان کی عمر اس قدر قلیل اور قد اس قدر چھوٹا تھا کہ وہ لیکچر ٹیبل کے پیچھے اوجھل ہو گئے اور منتظمین کو ان کے سامنے سے ٹیبل اٹھانا پڑا۔ جتنے لڑکوں نے اس تقریری مقابلہ میں حصہ لیا ان سب میں سے عمر کے اعتبار سے میر محمود احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ چھوٹے تھے لیکن ان کا اندازِ بیان سب سامعین کو ہمہ تن گوش بنائے ہوئے تھا۔ اس مقابلہ میں آپ کے دوم رہنے کا اعلان کیا گیا۔ یہ سب کچھ بفضلہ تعالیٰ ایک مقدس مربی اور عالم ربّانی کی اعلیٰ تربیت کا نتیجہ تھا۔

(۵)

خدماتِ سلسلہ کا اجمالی تصوّر

حضرت میر صاحب رضی اللہ عنہ اسلام اور احمدیت کے ایک جانباز جرنیل تھے۔ آپ نے سلسلہ حقّہ کی جو پُر خلوص خدمات بذریعہ تحریر و تقریر اور اپنے پاک نمونہ سے فرمائی ہیں ان کی وجہ سے آپ کو حیاتِ سرمدی مل چکی ہے۔ آڑے وقتوں میں آپ نے سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا ہاتھ نہایت خلوص، ہمت اور جانبازی سے بٹایا۔ ضیافت کی نظارت، مدرسہ احمدیہ کی نگرانی، دینی مباحث اور مناظروں میں حق گوئی، احادیث کی تعلیم، دین جماعت کے خلاف فتنوں کے اُٹھنے پر سینہ سپری، بطور ممبر صدر انجمن احمدیہ کے آپ کی قیمتی اور صائب آراء، سلسلہ کے یتامیٰ اور مساکین کی دیکھ بھال اور نگرانی وغیرہ خدماتِ دینیہ آپ کو "سابقون" میں ایک نمایاں مقام پر فائز کرتی ہیں۔ آپ کا وجود نہایت ہی مبارک اور آپ کی شخصیت فرقان اور امتیازی شان کی حامل تھی۔ وہ خدا کے نور تھے جن کی روشنی ہمیشہ ہی احمدیت اور اسلام کے فدائیوں کے لئے مشعلِ راہ کا کام دے گی۔

(۶)

"یہ میرا باغ ہے جو میں نے اللہ تعالیٰ کی خاطر لگایا ہے۔"

حافظ عبد العزیز صاحب مؤذن مسجد اقصیٰ قادیان جنہوں نے حضرت میر صاحب رضی اللہ عنہ کے الطافِ کریمانہ کا خود مشاہدہ

کیا ہے۔ بہت سے واقعات آپ کے اخلاقِ حسنہ کے متعلق بیان کرتے ہیں اُن میں سے چند ایک ذیل میں خلاصۃً تحریر کئے جاتے ہیں:۔

انہوں نے بتایا کہ "ایک دفعہ یوم التبلیغ کے موقع پر حضرت میر صاحبؓ مدرسہ احمدیہ کے اساتذہ، طلباء اور دار الشیوخ کے یتامٰی اور مساکین کے ہمراہ موضع ننگل باغباناں میں تشریف لے گئے۔ آپ نے سب ہمراہیوں کے لئے چنے بھنوا کر ان میں شکر ڈلوائی اور پلیٹوں میں ڈلوا کر تقسیم کرنے شروع کئے۔ میں بھی اُس وقت موجود تھا لیکن ذرا علیحدہ ہٹ کر کھڑا تھا کیونکہ میں ننگل کی ڈھاب کے گندے پانی اور کیچڑ میں گر پڑا تھا اور میرے کپڑے خراب اور بدبودار ہو گئے تھے اور طبعی طور پر دوسرے احباب مجھ سے نفرت محسوس کر رہے تھے۔ حضرت میر صاحبؓ نے میری اس حالت کو دیکھا تو چنوں کی ایک پلیٹ اٹھا کر مجھے ساتھ لیا اور ایک طرف بیٹھ کر فرمانے لگے کہ عبدالعزیز! تمہیں کوئی اپنے ساتھ شامل نہیں کرتا آؤ ہم دونوں مل کر کھائیں۔ اپنی حالت کو دیکھ کر اور حضرت میر صاحبؓ کا مقام اور مشفقانہ سلوک دیکھ کر میری حالت عجیب تھی اور دوسرے لوگ بھی مجھ پر رشک کر رہے تھے۔"

"ایک دفعہ ایک غیر احمدی بطور مہمان لنگر خانہ میں آئے۔ حضرت میر صاحبؓ نے ان کی اچھی طرح خاطر مدارات کی، وہ کھانا کھا کر ایک معاند احمدیت حمید کشمیری کے پاس چلے گئے اور اس کی مجلس میں جماعت کے خلاف بہت سبّ وشتم اور طعن وتشنیع کی۔ کسی دوست نے میرے سامنے حضرت میر صاحبؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ نے ان سے ایسا اچھا سلوک کیا ہے لیکن انہوں نے مخالفانہ مجلس میں اس طرح بغض وکینہ کا اظہار کیا ہے۔ حضرت میر صاحبؓ نے فرمایا وہ ہمارے پاس بطور مہمان آئے تھے، ہم نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور نمونہ کے ماتحت اکرام ضیف کیا ہے، ہم نے بہر حال اپنے اچھے اخلاق کا اظہار کرنا ہے قطع نظر اس کے کہ اس کا رویّہ اور سلوک کیسا ہے۔"

"حضرت میر صاحبؓ کی زندگی کے آخری ایام کی بات ہے کہ آپ کی حالت بہت کمزور تھی۔ دار الشیوخ کا انچارج آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ دار الشیوخ کے بچوں، یتامٰی اور مساکین نے صبح سے ناشتہ نہیں کیا۔ کیونکہ کھانے کا سامان سٹاک میں ختم ہو چکا ہے۔ لنگر والوں سے کئی دن پہلے سامان خورد و نوش اُدھار لیا تھا جو واپس نہ کیا جا سکا اسلئے اب انہوں نے بھی مزید سامان عاریۃً دینے سے انکار کر دیا ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت میر صاحبؓ باوجود شدید نقاہت اور کمزوری کے دو آدمیوں کے سہارا سے تانگہ پر سوار ہو کر قادیان کے بعض محلّہ جات کے دورہ پر روانہ ہوئے اور بعض مخیّر اور مخلص احباب کو یتامٰی اور مساکین کی خدمت کی اہمیت بتا کر اور ان کے ذریعہ سامان خورد و نوش اور لباس کا انتظام کر کے واپس لوٹے۔ خدا تعالیٰ نے آپ کی سعی کو اس قدر مشکور فرمایا کہ چند گھنٹوں میں ہی اس قدر سامان جمع ہو گیا کہ سٹور کے کمرے بھر گئے اور تِل دھرنے کی جگہ نہ رہی۔ حضرت میر صاحبؓ کو اس سے بڑی خوشی اور تسکین ہوئی۔ الحمد للہ۔

حضرت میر صاحبؓ کو مہمانوں اور طلباء کے آرام اور اخلاقی نگرانی کا بہت خیال رہتا تھا۔ بہت دفعہ ایسا ہوا کہ آپ سردیوں کے موسم میں رات ایک ایک بجے اُٹھ کر بورڈنگ اور مہمانخانہ میں چکر لگاتے تاکہ اگر کسی کو کوئی ضرورت اور تکلیف ہو یا کوئی اور قابلِ اصلاح بات ہو تو اس کا تدارک کر سکیں۔ اور آپ صبح کی نماز کے لئے مہمانوں اور بورڈروں کو اُٹھاتے اور مسجد میں جانے کا انتظام فرماتے۔

ایک دفعہ کسی مخیّر دوست نے رمضان کے مہینہ میں دارالشیوخ کے مساکین کے لئے افطاری بھجوائی۔ جس میں زردہ بھی تھا۔ ایک لڑکے نے زردہ کھاتے ہوئے کہا کہ فلاں آدمی نے آج ہمیں زردہ کھلایا ہے۔ حضرت میر صاحبؓ یہ سُن کر بہت خفا ہوئے اور سب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ابھی تم کو یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی کھلاتا اور پلاتا ہے۔ کوئی انسان کسی کو کیا کھلا سکتا ہے۔ حضرت میر صاحبؓ کا یہ معمول تھا کہ دارالشیوخ کے طلباء اور دیگر مساکین کو بہت دفعہ اپنے سامنے ناشتہ اور کھانا کھلاتے اور حفاظ کلاس کے نابینا طلباء کو اپنے گھر لیجا کر اور کھُرے پر بٹھا کر ان کو صابن وغیرہ دیتے اور ان کے کپڑے صاف کرواتے، غسل کرواتے اور ان کے اُجلے کپڑوں اور بدن کی صفائی پر بہت خوش ہوتے۔

"ایک دفعہ دو نابینا طالب علم بازار میں آپ کے قریب سے گزرے وہ روٹی اور سالن برتن میں لیجا رہے تھے۔ حضرت میر صاحبؓ رستہ میں کسی دوست سے باتیں کر رہے تھے اور آپ کا منہ دوسری طرف تھا کہ ایک نابینا مع سالن کے برتن کے آپ سے ٹکرا گیا۔ سالن آپ کے کپڑوں پر جو آپ جمعہ کی نماز کے لئے بدل کر آئے تھے گرا پڑا اور وہ خراب ہو گئے۔ جب آپ کے صاحبزادہ میر محمود احمد صاحب جو اس وقت کمسن تھے نے توجہ دلائی کہ ابّا جان! آپ کے کپڑے سالن گرا کر اس حافظ نے خراب کر دیئے ہیں تو آپ نے اس نابینا طالب علم پر بالکل اظہارِ خفگی نہ فرمایا، اتنا کہا کہ جب رستہ پر چلو تو اونچی آواز سے السلام علیکم کہتے جایا کرو تاکہ دوسروں کو آپ کے گزرنے کا علم ہوتا رہے۔

"ایک دفعہ ایک معزز احمدی قادیان تشریف لائے۔ وہ بوجہ عدیم الفرصتی کے ایک گھنٹہ کے لئے حضرت اقدس ایدہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے لئے آئے تھے۔ حضرت میر صاحبؓ نے فوراً بھائی احمد دین صاحب ڈنگوی کی دکان سے ان کے لئے لسّی اور ناشتے کا انتظام کیا اور اُن کو ساتھ لیکر دارالشیوخ میں تشریف لائے اور فرمایا کہ جماعت کے یہ یتیم اور مسکین بچے ہیں۔ یہ میرا باغ ہے جو میں نے اللہ تعالیٰ کی خاطر لگایا ہے۔ اس کی آبیاری میں آپ بھی حصہ لیں۔ وہ احمدی دوست چند منٹ میں آپ کی باتوں سے اس قدر متاثر ہوئے کہ مبلغ ۵۰۰/- روپے کی رقم ان یتامیٰ کی اعانت کے لئے پیش کر دی۔"

"حضرت میر صاحبؓ نہ صرف حدیث کے جیّد عالم اور محدّث تھے بلکہ پورے طور پر عامل بالحدیث تھے چنانچہ

آپ طلباء کو بڑے تعہد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر عمل کرنے کی ہدایت کرتے اور اس کی نگرانی فرماتے۔ مسجد میں نماز کے بعد مسنونہ ذکر اذکار کرنے کے بغیر لڑکوں کو اُٹھنے نہ دیتے۔ مسجد میں داخل ہوتے اور باہر جاتے وقت کی ادعیہ ماثورہ باقاعدگی کے ساتھ پڑھنے کی ہدایت فرماتے۔ درود شریف پڑھنے کی کثرت سے تلقین کرتے اور اس کے فیوض و برکات کو وضاحت سے بیان فرماتے اور سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے پیش نظر غرباء اور مساکین کے پاس بیٹھنے میں اور ان کو اپنے پاس بلانے میں خوشی اور فخر محسوس کرتے اور ان کی باتیں پوری توجہ سے سنتے۔ اکثر یہ فرمایا کرتے کہ جتنا مجھے غریب آدمیوں سے ملنے اور ان کے پاس بیٹھنے سے مزا اور لطف آتا ہے اتنا اور کسی کے پاس بیٹھنے میں نہیں آتا۔ طلباء کو آپ خاص طور پر اصل نام کے علاوہ دوسرے ناموں سے پکارنے پر ناراض ہوتے اور اس سے منع کرتے۔ خود بھی بچوں کا پورا اور اصلی نام لیتے۔ موضع اوجلے کے ایک کمزور دماغ شخص رحیم بخش تھے وہ اپنے دماغی نقص کی وجہ سے یہ سمجھتے تھے کہ ان کو الہام ہوتا ہے اور بعض دفعہ بڑے بڑے دعاوی بھی کرتے۔ حضرت میر صاحبؓ ان کے افلاس اور غربت کے پیش نظر ہمیشہ ان سے حسن سلوک اور شفقت فرماتے۔ کئی دفعہ وہ یہ کہتے کہ آج رات میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آپ نے مجھے فلاں چیز کھلائی ہے اور آپ اکثر ان کی خواہش کو پورا فرماتے۔ ایک دفعہ رحیم بخش صاحب صبح سویرے حضرت میر صاحبؓ کی خدمت میں میرے سامنے حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آج رات میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آپ نے مجھے دودھ کی کھیر کھلائی ہے۔ حضرت میر صاحبؓ نے فرمایا کہ ہم تمہارا خواب ابھی پورا کرتے ہیں اور کھیر تیار کروا کر ان کو کھلائی۔"

(۷)

صحابہ حضرت مسیح موعودؑ کے باہم سلوک کی ایک مثال

اس مضمون کو ختم کرنے سے پہلے میں ایک واقعہ کا ذکر کر دینا بھی مناسب سمجھتا ہوں۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ ایک دوسرے کے لئے جو اخلاص، محبت اور احترام کے جذبات رکھتے تھے وہ ان کے روزمرہ کے معاملات سے عیاں ہوتے (خدا تعالیٰ اپنے فضل سے ہم تابعین کو بھی اس جذبہ اور عمل کو قائم رکھنے کی توفیق دے)۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ خاکسار اور میرے والد ماجد حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی دہلی جانے کے لئے قادیان سٹیشن سے گاڑی میں بیٹھے۔ گاڑی ابھی روانہ نہ ہوئی تھی کہ حضرت میر صاحبؓ بھی اسی ڈبہ میں تشریف لے آئے جہاں ہم بیٹھے تھے۔ حضرت والد صاحب فوراً اپنی جگہ سے اُٹھے اور اپنا کمبل جو وہ اوڑھے ہوئے تھے اپنے کندھوں سے اُتار کر سامنے کی سیٹ پر بچھا دیا اور حضرت

میر صاحبؓ سے عرض کیا کہ آپ اس کمبل پر تشریف رکھیں یہ متبرک ہو جائے گا۔ حضرت میر صاحبؓ نے بہت عذر معذرت کی اور اصرار کیا کہ آپ کمبل اوڑھے رکھیں موسم سرد اور خشک ہے، آپ کو کمبل کے بغیر تکلیف ہوگی لیکن والد صاحب نے بار بار کے اصرار سے حضرت میر صاحبؓ کو کمبل پر بیٹھنے کے لئے مجبور کیا اور جب آپ بیٹھ گئے تو والد صاحب آپ کے بہت شکر گزار ہوئے۔ جب حضرت میر صاحبؓ امرتسر سٹیشن پر اس گاڑی سے اُتر گئے تو والد صاحب نے کمبل اُٹھاتے ہوئے مجھے کہا کہ حضرت میر صاحبؓ مقدسین میں سے ہیں ان کی خدمت کرنا اور ان کو خوشی پہنچانا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث ہوتا ہے۔ یہ خاکسار اس واقعہ سے بہت متاثر ہوا۔

والد صاحب حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی نے اپنے سوانح حیات میں یہ واقعہ بھی درج فرمایا ہے کہ انہوں نے رؤیا میں دیکھا کہ حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ، حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ اور وہ خود حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے گھر میں ایک باؤلی سے پانی لے کر واپس آ رہے ہیں اور راستہ میں مولانا جلال الدین صاحب شمس جو اس باؤلی سے پانی پینے جا رہے ہیں ان سے ملاقی ہوئے ہیں ؎

فانی اند و آلہ ربانی اند

نور حق در جامۂ انسانی اند

اے ہمارے مہربان و محسن خدا! اس مقدس وجود پر جو تیری اور تیرے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے سرشار تھا اور تیرے غریب بندوں کا ملجاؤ ماویٰ تھا اپنی خاص رحمتوں کا نزول تا ابد فرماتا رہ اور ان کی اولاد اور پیاروں کا خود حافظ و ناصر ہو۔ آج وہ مقدس وجود ہم میں نہیں ہے لیکن اس کے کارنامے اور شفقت کے نمونے ہمیشہ ہمارے لئے مشعل راہ کا کام دیں گے ٭

یتیم پروری

حضرت میر محمد اسحاق صاحب رضی اللہ عنہ اکثر اپنے درس حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "اَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيْمِ كَهَاتَيْنِ فِي الْجَنَّةِ کہ میں اور یتیم کا کفیل جنت میں ملی ہوئی دو انگلیوں (شہادت والی اور دوسری) کی طرح ہوں گے" کا ذکر کیا کرتے۔ اور لوگوں کو اس کی تلقین کرتے رہتے تھے بلکہ اس کو علیحدہ چھپوا کر آویزاں کراتے تھے۔

(عبد اللطیف ستکوہی)

حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کے مختصر حالاتِ زندگی

(از جناب شیخ عبد القادر صاحب فاضل۔ مربی سلسلہ لاہور)

حضرت اُمّ المومنینؓ کے والد ماجد حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ کے دو فرزند تھے۔ یعنی حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحبؓ اور حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ اور دونوں ماشاء اللہ اپنے اپنے فن میں باکمال انسان تھے۔ حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب سول سرجن کے عہدہ سے ریٹائرڈ ہوئے اور بعد میں تا زندگی دار الامان میں رہ کر خدماتِ دینیہ سرانجام دیتے رہے۔ آپ کے مضامین اکثر "الفضل" میں چھپا کرتے تھے، روحانیت سے لبریز اور بالکل اچھوتے۔ باوجودیکہ آپ کی صحت زیادہ اچھی نہیں رہتی تھی لیکن پھر بھی دن بھر دروازے پر مریضوں کا جمگھٹا رہتا تھا۔ آپ بڑی تندہی کے ساتھ مریضوں کا علاج فرماتے تھے اور ایک پائی تک بطور فیس یا قیمت دوا لینا گوارا نہیں فرماتے تھے۔

حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ آپ کے چھوٹے بھائی تھے۔ خاکسار کے بھی استاد تھے۔ مدرسہ احمدیہ اور جامعہ احمدیہ میں مسلسل کئی سال تک آپ سے تعلیم حاصل کرنے کا شرف حاصل رہا۔ اسلئے میں کہہ سکتا ہوں کہ میں نے آپ کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ آپ اپنے شاگردوں کی ہر جسمانی اور روحانی ضرورت کا احساس رکھتے تھے۔ باوجود اس کے کہ آپ خود بھی درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے مگر ایثار کا مادہ آپ میں اس قدر تھا کہ خود بھوکے رہ کر بھی دوسروں کو کھانا کھلاتے تھے۔ اپنی ضروریات کو روک کر بھی دوسروں کی ضروریات کو پورا کرتے تھے۔ طالب علموں سے ہمیشہ دریافت کرتے رہتے تھے کہ آپ کو کوئی تکلیف تو نہیں؟ کتابیں آپ کے پاس ہیں؟ کپڑے ہیں؟ بستر مکمل صورت میں ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ اور جس چیز کی بھی کمی ہوتی آپ اسے فوراً پورا کر دیتے۔

آپ مفسر بھی تھے، محدث بھی تھے اور ادیب بھی تھے۔ جب آپ قرآن مجید کا درس دیتے تو یوں معلوم ہوتا کہ آپ سے بڑھ کر کوئی قرآن مجید جاننے والا نہیں۔ قوتِ بیانیہ آپ میں اس قدر تھی کہ ہر چیز کا مکمل نقشہ کھینچ کر رکھ دیتے۔ حدیث کا درس دیتے تو اس وضاحت کے ساتھ حالات بیان فرماتے کہ یوں معلوم ہوتا کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھ کر آپ سے براہِ راست احادیث سن رہے ہیں۔ احادیث کے درس میں جن مقامات کا ذکر آتا ہے ان کے متعلق تفصیل سے بیان فرماتے کہ یہ مقامات مکہ یا مدینہ سے اتنی دور، اس سمت میں اور فلاں جگہ واقع ہیں۔ ان مقامات کی خصوصیت بھی ساری بیان فرماتے۔

جامعہ احمدیہ میں آپ علم کلام کے استاد تھے۔ آپ جملہ ادیان پر مضامین لکھانے سے قبل پوری تیاری کر کے جامعہ میں تشریف لاتے اور اس جامعیت کے ساتھ مضامین لکھاتے کہ کوئی پہلو تشنۂ تکمیل نہ رہ جاتا۔ یہاں اس امر کا ذکر ضروری ہے کہ آپ کی تحریر و تقریر میں عقلی دلائل زیادہ ہوتے تھے اور نقلی کم۔

چونکہ آپ ناظر ضیافت بھی تھے اس لئے مغرب کی نماز کے بعد ہفتہ میں پانچ دن تو آپ خود قرآن کریم یا حدیث کا درس مہمانخانہ میں دیتے اور ایک دن جامعہ احمدیہ کے طالب علموں کو بلا کر مہمانوں کے سامنے ان کی تقاریر کرواتے اور پھر مہمانوں کو سوالات کرنے کا موقعہ بھی دیتے اور جس سوال کا جواب مقرر طالب علم پوری وضاحت کے ساتھ نہ دے سکتا اس کا جواب آپ خود دیتے اور آخر میں آپ ایسی دلچسپ، بصیرت افروز اور دلائل سے پُر تقریر فرماتے کہ سامعین عش عش کر اُٹھتے۔ اُس زمانہ میں مرکز میں تشریف لے جانیوالے مہمانوں کو ہمہ وقت مصروف رہنا پڑتا تھا۔ مسجد مبارک میں جاتے تو وہاں بھی کوئی بزرگ درس دے رہا ہوتا۔ مسجد اقصیٰ میں جاتے تو وہاں بھی درس جاری پاتے۔ عصر کی نماز کے بعد عموماً حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز خود بنفس نفیس مسجد اقصیٰ میں قرآن مجید کا درس دیتے تھے۔ حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ اور حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحبؓ بھی کافی عرصہ تک درس دیتے رہے ہیں۔ غرض قادیان دار الامان کی فضا ہر وقت دینی افکار سے معمور رہتی تھی۔

آپ کی حیاء

آپ حیادار اتنے تھے کہ ادب کا مضمون پڑھاتے وقت نظم یا نثر میں بعض اوقات جب فحش اور ننگے قسم کے الفاظ آجاتے تو آپ نہایت ہی محتاط الفاظ میں آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر جلدی جلدی ان کا ترجمہ کر کے آگے گزر جاتے اور کبھی یہ بھی فرما دیتے کہ کوئی بانرجمہ کتاب لیکر اس میں سے ترجمہ دیکھ لیں۔

لین دین کے واقعات

آپ اپنی یا ضرورت مندوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے بعض اوقات قرض بھی لے لیا کرتے تھے۔ حضرت میر صاحبؓ کا یہ طریق تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت کے مطابق قرض لے کر واپسی کے وقت کچھ روپیہ زیادہ دے دیا کرتے تھے۔ بعض لوگ جو آپ کی اس عادت سے پوری طرح آگاہ تھے۔ وہ اس موقعہ کی تاڑ میں رہتے تھے کہ حضرت میر صاحبؓ کو روپیہ کی ضرورت پیش آئے اور وہ روپیہ ادا کر دیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک حضرت میر صاحبؓ کو قرض دینا بھی روپیہ بڑھانے کا ایک ذریعہ تھا۔

ملکۂ تقریر و تحریر

آپ تقریر و تحریر میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔ دینی کاموں کی زیادتی کی وجہ سے آپ کی صحت عموماً اچھی نہیں رہتی تھی اسلئے آپ کی تصانیف زیادہ نہیں ہیں۔ تاہم جس قدر بھی ہیں وہ ایسے اچھوتے اور دلنشین پیرائے میں لکھی ہیں کہ مضامین انسان کے ذہن کی راہوں میں اُترتے چلے جاتے ہیں۔ آریوں کے مقابلہ میں آپ کی ایک مشہور کتاب "حدوث روح و مادہ" ہے۔ میں نے بڑے بڑے قابل اور مانے ہوئے آریہ مناظروں اور مصنفوں کو اس کتاب کی تعریف میں رطب اللسان پایا ہے۔

آپ معروف ایسے تھے کہ چوٹی کے آریہ اور عیسائی مناظروں سے میں نے آپ کو بات کرتے دیکھا ہے۔ وہ آپ کے زبردست دلائل کی تاب نہ لاکر بدحواس ہو جاتے تھے۔ آپ نے جوانی میں آریوں اور عیسائیوں کے ساتھ بھی مباحثات کئے ہیں اور بے نظیر مباحثات کئے ہیں۔ مثال کے طور پر مشہور عیسائی مناظر پادری جوالاسنگھ کے ساتھ جو آپ کا مناظرہ ہوا اس کی مختصر سی روئداد "کسر صلیب" کے ٹریکٹوں میں دیکھ کر ناظرین آپ کی ذہنی قابلیت، قوت استدلال اور مضبوط گرفت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ لیکن اپنی عمر کے آخری سالوں میں خرابی صحت کی وجہ سے آپ بالعموم مناظرہ نہیں کرتے تھے البتہ مناظرہ کی صدارت منظور فرما لیا کرتے تھے۔ میں نے دینا نگر میں مکرم و محترم مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری کا مشہور آریہ مناظر پنڈت رامچندر دہلوی کے ساتھ مناظرہ کا نظارہ دیکھا ہے۔ اس میں جماعت احمدیہ کی طرف سے صدر حضرت میر صاحبؓ تھے۔ آپ آریہ مناظر کو اس کی بے ضابطگی کی طرف جب نپے تلے اور معقول اور مدلل انداز میں توجہ دلاتے تو وہ حیران و ششدر رہ جاتا اور اسے آپ کی بات کو تسلیم کر لینے کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔

باوقار چال

آپ عموماً سیر کے لئے بھی باقاعدہ تشریف لے جایا کرتے تھے اور اس صورت میں اپنی بیگم صاحبہ اور بچوں کو بھی ساتھ لے جاتے تھے۔ آندھی آئے، مینہ برسے آپ کی رفتار میں فرق نہیں آتا تھا۔ میں نے آپ کو تیز چلتے بہت ہی کم دیکھا ہے۔ بہت ہی وقار کے ساتھ گرمی میں چھاتہ لے کر اور سردی میں بغیر چھاتہ کے غالباً دل کے عارضہ کی وجہ سے یا کسی اور مرض کے باعث آہستہ آہستہ چلتے تھے۔

آپ کی مہمان نوازی

آپ کی مہمان نوازی کے واقعات اس قدر زیادہ ہیں کہ اگر مثالیں دیکھا نہیں لکھا جائے تو چار پانچ سو صفحات کی ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے جس شخص سے بھی میں نے اس معاملہ میں بات کی ہے اس نے کوئی نہ کوئی عجیب واقعہ بیان فرما دیا ہے اس لئے میں سوا سے اپنا ایک واقعہ بیان کرنے کے باقی واقعات کا اجمالاً ذکر کروں گا۔

مبلغین کلاس پاس کرنے کے بعد حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے مجھے کراچی بھیج دیا۔ ایک مرتبہ میں ایک ماہ کی رخصت پر مرکز میں آنا چاہتا تھا۔ میں نے حضرت میر صاحبؓ کی خدمت میں لکھا کہ میں ایک ماہ کی رخصت پر مرکز میں آنا چاہتا ہوں آپ میری رہائش کا کیا انتظام فرمائیں گے۔ آپ نے فوراً جواب دیا کہ تمہارے لئے میں نے درزی خانہ کے اوپر نظارت علیا والا کمرہ مخصوص کر دیا ہے۔ اس میں مکرم مرزا عبد الحق صاحب ایڈووکیٹ وقاضی سلسلہ ہر اتوار کو گورداسپور سے آکر ٹھہرا کرتے ہیں۔ اگر آپ کا وہاں ٹھہرنا ان کے کام میں مخل ثابت نہ ہوا تو وہ بھی وہاں ہی ٹھہر جایا کریں گے ورنہ ان کے لئے میں الگ انتظام کر دیا کروں گا۔ آپ اطمینان کے ساتھ یہاں رہ کر رخصت گذار سکیں گے۔ چنانچہ خاکسار حاضر ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ ناشتہ اور صبح و شام کا کھانا مجھے وہاں کمرہ میں ہی آپ بھجوا دیتے۔ اور مکرمی و محترمی جناب مرزا عبد الحق صاحب جب اس دوران میں تشریف لاتے تو آپ انہیں مہمانخانہ

کے نئے تعمیر شدہ کمروں میں ٹھہرا دیتے۔ ایک ادنیٰ شاگرد کی عزت افزائی میں اس قدر اخلاقِ عالیہ کا اظہار حضرت میر صاحبؓ کے ساتھ ہی مخصوص تھا۔ ایسے واقعات جب یاد آتے ہیں تو بعض اوقات رقت طاری ہو جاتی ہے۔

ہندوستان کے طول و عرض سے بہشتی مقبرہ میں موصیوں کو دفن کرنے کے لئے لوگ جنازے قادیان لایا کرتے تھے۔ آپ ساتھ آنے والوں کی تعداد کا اندازہ کر کے ان کے نعش کو دفن کر کے واپس آنے سے قبل ان کیلئے کھانا تیار کروا لیتے تھے اور جب وہ مہمان خانہ میں پہنچتے تو فوراً کھانا انکی خدمت میں پیش کر دیا جاتا۔

احمدی اور غیر احمدی ہر مہمان سے بعض اوقات آپ دریافت بھی فرمالیا کرلیتے تھے کہ آپ دودھ پئیں گے لسی پئیں گے یا چائے۔ جس چیز کی ضرورت ہو بے تکلف فرما دیجئے۔ چنانچہ جب بھی کوئی شخص کسی چیز کی خواہش کا اظہار کرتا۔ آپ فوراً اس کے لئے مہیا فرما لیتے۔ ایسے مہمانوں میں بعض اوقات لوگ دین سیکھنے کے لئے نہیں بلکہ اپنی ذاتی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے بھی آتے تھے مگر آپ کی مہمان نوازی میں فرق نہیں آتا تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ کٹر سے کٹر غیر احمدی مخالف بھی آپ کے اخلاقِ حسنہ کو دیکھ کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ مجھے یاد ہے ۱۹۳۴ء میں قادیان میں جب احرار نے جلسہ کیا اور ہزاروں کی تعداد میں باہر سے لوگ جمع ہوئے تو وہاں منتظمین جلسہ نے لوگوں کے لئے کھانے کا کوئی معقول انتظام نہیں کیا تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ لوگ بھوک سے تنگ آکر جب شہر میں جاتے تو حضرت میر صاحبؓ کا حکم تھا کہ جو اجنبی شخص ملے اسے مہمانخانہ میں لے آؤ ہم اس کے کھانے کا انتظام کریں گے۔ چنانچہ سینکڑوں افراد نے متعدد مرتبہ وہاں کھانا کھایا۔ آپ کے اس حسن سلوک کا اس قدر گہرا اثر پڑا کہ کئی احباب کو میں جانتا ہوں جو قادیان گئے تو تھے احرار کا جلسہ سننے کے لئے مگر احمدیت کی صداقت کے معترف ہو کر واپس لوٹے اور گھروں میں پہنچ کر جلد یا بدیر بیعت کے خطوط لکھ دیئے۔

آپ مہمان کی حرکات سے اندازہ لگا لیا کرتے تھے کہ اسے کسی چیز کی ضرورت ہے۔ فوراً دریافت فرماتے اور پھر ضرورت پوری کر دیتے۔ بعض اوقات بعض متمول مہمان اپنے کسی نہ کسی خادم کو بھی ساتھ لے جاتے اور اسے دودھ یا لسی حاصل کرنے کے لئے بازار میں بھجوا دیتے۔ ایسی صورت میں بھی کئی مثالیں مجھے یاد ہیں کہ آپ ایسے خادم کے ہاتھ سے برتن لے لیتے اور کسی مہمانخانہ کے خادم کو یا بعض اوقات خود ہی بازار میں تشریف لیجا کر وہ چیز لا دیتے۔ اور فرماتے کہ یہاں آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مہمان ہیں بلا تکلف کہہ دیجئے کہ آپ کو فلاں چیز کی ضرورت ہے۔

عملی نمونہ ایک دفعہ کا واقعہ ہے لنگر خانہ میں روٹی ختم ہو چکی تھی اور سیالکوٹ کے کسی معزز زمیندار نے کھانا کھانا تھا۔ اس نے آپ کے پاس شکایت کی کہ روٹی ختم ہو چکی ہے اور مجھے بھوک لگی ہوئی ہے۔ آپ اسی وقت اس کے ساتھ لنگر خانہ میں تشریف لے گئے۔ کھانے کی میز پر کافی تعداد میں بکھرے ہوئے بچے کھچے ٹکڑے پڑے

تھے ان کو دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ چودھری صاحب! کھانا تو موجود ہے۔ آئیے میں اور آپ دونوں کھائیں۔ چنانچہ آپ نے بعض ٹکڑے اکٹھے کر لئے اور پہلے خود کھانا شروع کر دیئے۔ سالن تو موجود تھا ہی روٹی کے قائم مقام ٹکڑے جمع ہو گئے۔ آپ کو دیکھ کر اس معزز مہمان نے بھی وہ ٹکڑے کھانا شروع کر دیئے۔ اللّٰھم صلّ علیٰ محمّدٍ وعلیٰ آلِ محمّدٍ۔

ایک مرتبہ کسی کے ہاں دعوت تھی۔ اس میں بچے بھی مدعو تھے۔ اور آمنے سامنے کے دو مہمانوں کے درمیان چاولوں کی صرف ایک پلیٹ رکھی گئی تھی۔ میں دوسری یا تیسری جماعت کا طالب علم تھا۔ حضرت میر صاحبؓ نے مجھے اپنے سامنے بٹھا لیا۔ آپ کی وجاہت اور رعب کی وجہ سے مجھے جرأت نہ ہوتی کہ میں پلیٹ کی طرف ہاتھ بڑھاؤں۔ آپ نے بڑے ہی پیار اور محبت کے ساتھ فرمایا کہ میاں! بے تکلّف کھاؤ۔ ہم سب بھائی بھائی ہیں۔ اس پر میں نے حضرت میر صاحب کے ساتھ ایک ہی پلیٹ میں کھانا شروع کر دیا۔

شیخوپورہ میں آپ کے ایک رشتہ دار سب انسپکٹر پولیس ریٹائرڈ رہا کرتے تھے۔ یہ وہ صاحب تھے جو ایک سرکاری ڈیوٹی پر دو تین ماہ قادیان رہے تھے۔ اور یہ اس زمانہ کی بات ہے جبکہ قادیان میں سکھوں نے مذبح گرایا تھا اور گورنمنٹ نے وہاں سکھوں کے خلاف تعزیری چوکی قائم کی تھی۔ میں نے بیسیوں مرتبہ ان سے ملاقات کی اور عرض کیا کہ میر صاحب! آپ ایک مرتبہ ربوہ تو تشریف لے چلیں اور دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے احمدیت کو کس قدر ترقی دی ہے۔ آپ کے رشتہ دار عزیز بھی وہاں کافی ہیں۔ کیا آپ کا دل نہیں چاہتا کہ ان سے ملاقات کریں؟ میری یہ باتیں سن کر بعض اوقات وہ آبدیدہ ہو جاتے اور فرماتے کہ میاں! ربوہ جانے کو تو میرا بھی دل چاہتا ہے مگر وہاں جا کر کس کو ملوں گا۔ نہ وہاں بھائی اسماعیل ملے گا نہ اسحاق۔ بچے ہمیں پہچانتے نہیں ہوں گے۔ یہ کہہ کر بعض اوقات وہ رو پڑتے۔ دو تین مرتبہ تو وہ تیار بھی ہو گئے اور میں نے انتظام کے لئے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی خدمت میں لکھ بھی دیا مگر عین روانگی کے وقت وہ پھر انکار کر دیتے۔ وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ کئی ماہ مجھے قادیان میں رہنا پڑا۔ بھائی میر اسحاق تازہ پھلکے پکوا کر میرے سامنے رکھا کرتے تھے۔ میں کھاتا جاتا تھا۔ اور اسحاق بھائی اندر سے پھلکے پکوا کر لاتے جاتے تھے وہ دن مجھے بھولتے نہیں۔

ایک دفعہ میں نے کہا کہ میر صاحب! جو شان آپ کے بھائیوں اور عزیزوں کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی برکت سے ملی ہے۔ کیا آپ نہیں چاہتے کہ آپ بھی سلسلہ میں شامل ہو کر ان برکات سے فائدہ اٹھائیں۔ فرمانے لگے۔ شاید اسی لئے اللہ کریم نے مجھے لمبی عمر دی ہو اور میری قسمت میں بیعت کر لینا مقدر ہو۔ اچھا! بھائی چلیں گے۔ مگر افسوس کہ ان کو ربوہ جانا نصیب نہ ہوا۔ اور اب تو وہ وفات بھی پا چکے ہیں۔ واللہ حسیبہ۔

افسوس ہے کہ مجھے ان کا نام یاد نہیں رہا۔ میں انہیں میر صاحب ہی کہہ کر پکارا کرتا تھا۔ ان کے مکان

پر اکثر ملاقات کے لئے جاتا۔ بازار میں بھی ملتے تو کھڑا کر کے باتیں شروع کر دیتے۔ وہ مجھے بہت ہی پیارے لگتے تھے خصوصاً اس لئے کہ ان کی شکل و شباہت بالکل حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحبؓ سے ملتی تھی بلکہ ذرا فاصلہ سے وہ بالکل ڈاکٹر صاحب ہی آتے دکھائی دیتے تھے۔ اور حضرت ڈاکٹر صاحب بھی چونکہ مجھ حقیر سے بہت ہی مہربانی اور لطف سے پیش آیا کرتے تھے۔ اسلئے ان کی شکل کا آدمی اور پھر عزیز رشتہ دار دیکھ کر مجھ پر ایک خاص کیفیت طاری ہو جایا کرتی تھی اسلئے میں نے متعدد مرتبہ کوشش کی کہ وہ کسی روز ربوہ چلیں مگر افسوس کہ ان کی قسمت میں ربوہ دیکھنا نہیں تھا۔

ایک واقعہ اور یاد آ گیا۔ میرے طالب علمی کے زمانہ کی بات ہے۔ ایک لڑکا قادیان میں آیا اور یہ ظاہر کیا کہ میں ایک ہندو گھرانے کا چشم و چراغ ہوں۔ جالندھر کا باشندہ ہوں اور میرا بھائی جالندھر میں بیرسٹر ہے۔ میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔ حضرت میر صاحب ناظر ضیافت تھے۔ ایک ہندو اور پھر اعلیٰ خاندان کا فرد سمجھ کر آپ نے اس کی خوب خاطر و مدارات کی۔ اعلیٰ غذا اور عمدہ رہائش کا انتظام کیا۔ جب دو اڑھائی ماہ گزر گئے تو پتہ چلا کہ اس لڑکے نے محض اپنا اعزاز قائم کروانے کے لئے اپنے آپ کو ہندو ظاہر کیا ہے ورنہ وہ ایک متوسط طبقہ کے مسلمان گھرانے کا فرد ہے۔ آپ نے اسے اپنے پاس بلایا اور نہایت ہی نرمی، خلق اور محبت کے ساتھ اس پر یہ بات ظاہر کی کہ گو ہمیں اصل واقعہ کا علم ہو گیا ہے لیکن ہم آپ کے اعزاز میں کوئی کمی نہیں کریں گے۔ آپ جس طریق پر یہاں رہائش پذیر ہیں اسی طریق پر ہم آپ کو رکھیں گے۔ آپ پہلے سے زیادہ ذوق اور شوق کے ساتھ دینی کتب کا مطالعہ شروع کر دیں اور ہرگز اس امر کو محسوس نہ کریں کہ آپ سے غلطی سرزد ہو گئی ہے، انسان کمزور ہے غلطی کر بیٹھتا ہے۔ غرضکہ اسے بہت تسلی اور تشفی دی اور ملازموں کو بھی ہدایت کر دی کہ ان کا اعزاز بدستور قائم رہے۔ لیکن وہ بہت ہی شریف النفس اور شرمیلا لڑکا تھا ایک دو دن کے بعد ہی وہ ندامت اور شرمندگی کی وجہ سے وہاں سے روپوش ہو گیا۔ لیکن حضرت میر صاحبؓ کے اخلاقِ حسنہ اور شریفانہ برتاؤ کا اس پر ایسا اثر تھا کہ احمدیت اس کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی اور وہ احمدیت کا دلدادہ و شیدا ہو گیا۔ میں نے اسے دیکھا کہ وہ جلسہ سالانہ اور دوسری اہم تقریبات پر ہمیشہ مرکز میں آتا مگر مفلر یا رومال سے منہ کو اکثر لپیٹے رکھتا۔ اور جب گھر واپس جاتا تو تبلیغ احمدیت میں ہمہ تن مصروف ہو جاتا۔ مجھے پتہ چلا کہ بعض اچھے اچھے لوگوں نے اس کے ذریعہ سے بیعت کی۔

یہ موقعہ بظاہر معمولی سا نظر آتا ہے لیکن اگر اس پر غور کیا جائے تو اس سے حضرت میر صاحبؓ کی بلندیٔ اخلاق اور علوِ مرتبت کا پتہ چلتا ہے۔ اگر حضرت میر صاحبؓ کی جگہ کوئی عام آدمی ہوتا تو یقیناً اسے سخت شرمندہ کرتا اور ڈانٹ ڈپٹ کر کے مرکز سے نکال دیتا۔ اور اگر زیادہ سخت ہوتا تو ممکن ہے پولیس کے حوالہ کر کے اس پر

مقدمہ چلواتا لیکن وہ پھر زندگی بھر کے لئے احمدیت کا دشمن ہو جاتا۔

ایک لطیفہ حافظ محمد رمضان صاحب مولوی فاضل نے بیان کیا کہ حافظ معین الدین صاحب ایک مرتبہ لنگر خانہ میں کھانا لینے گئے۔ وہاں سے انہیں روٹی کے ساتھ پتلی دال کا ایک پیالہ ملا حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ ناظر ضیافت تھے۔ حافظ صاحب ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ حضرت! آپ چونکہ ناظر ضیافت ہونے کے علاوہ عالم دین بھی ہیں اسلئے ایک مسئلہ حل فرما دیجئے اور وہ یہ ہے کہ ایسی پتلی دال کے ساتھ جس کا رنگ اور مزہ پانی کی مانند ہو وضو جائز ہے یا نہیں؟ حضرت میر صاحبؓ نے فرمایا۔ حافظ صاحب جب تک میں اس دال کو دیکھ نہ لوں فتویٰ کیسے دے سکتا ہوں۔ اس پر حافظ صاحب نے دال کا پیالہ حضرت میر صاحبؓ کے ہاتھ میں دے دیا۔ حضرت میر صاحبؓ نے وہ پیالہ دال کی دیگ میں الٹا دیا اور اس کی بجائے گوشت کا پیالہ بھر کر دے دیا اور فرمایا حافظ صاحب! یہ آپ کے مسئلہ کا حل ہے۔ حافظ صاحب گوشت کا پیالہ لے کر خوش خوش چلے گئے۔

خدمت کا ایک واقعہ

(میاں اللہ دتا صاحب سپاہی پنشنر سیالکوٹ)

میں ملازمت کی حالت میں ایک دفعہ قادیان جلسہ دیکھنے آیا۔ میں رات کے کسی حصہ میں قادیان پہنچا تھا۔ میں اس وقت ناصر آباد میں اپنی بیوی بچوں کے ساتھ رہتا تھا۔ صبح کا وقت تھا کہ میں دودھ لینے کے لئے شہر میں گیا۔ رستہ میں کیا دیکھا کہ احمدیہ سکول کے پاس حضرت میر صاحبؓ مجھے ملے اور میں نے السلام علیکم کہا۔ آپ کا گلا بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے السلام علیکم کا جواب دیا اور اشارے سے فرمایا میاں اللہ دتا آؤ میرے ساتھ۔ میں ان کے ساتھ سٹور میں گیا۔ آپ نے ۴-۵ لوٹے اپنے دونوں ہاتھوں میں اٹھا لئے میں نے بھی لوٹوں کا ایک ٹوکرہ سر پر اٹھا لیا۔ جہاں تک میرا خیال ہے آپ افسر جلسہ تھے۔ آگے آگے آپ جا رہے تھے پیچھے پیچھے میں جا رہا تھا۔ ہم احمدیہ سکول میں پہنچے اور لوٹے وضو کرنے کی جگہ پر رکھ دیئے۔ اس طرح لوگوں کے وضو کرنے کی تکلیف دور ہو گئی۔

اس عاجز کے ساتھ حضرت میر صاحبؓ کی بڑی بے تکلفی تھی۔ فرمایا کرتے تھے میاں اللہ دتا! جلسہ شروع ہونے سے پیشتر اور جلسہ ختم ہونے کے بعد میرے دفتر میں حاضر ہوا کریں۔

حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کی سزا اور اس کا اثر!

(از مکرم رشید احمد صاحب بٹ کنڈیارو ضلع نواب شاہ)

محترم و مکرم حضرت مولانا دام اقبالہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ اس ماہ کے الفرقان میں آپ نے اعلان فرمایا ہے کہ آئندہ الفرقان کا شمارہ استاذی حضرت میر صاحب کے نام پر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ میں کوئی مضمون نگار یا عالم نہیں ہوں۔ ایک دکاندار ہوں مگر حضرت میر صاحبؓ کے متعلق جو میرے دل پر اثر ہے عرض کر دیتا ہوں۔ غالباً ۱۹۳۹ء نومبر یا دسمبر کی بات ہے کہ میں احمدیہ سکول کی تیسری جماعت میں پڑھتا تھا۔ ظہر کی نماز کے لئے سکول کے سب لڑکے اور استاد جا رہے تھے۔ میرے آگے میری کلاس کا ایک لڑکا رفیق احمد لاہوری تھا میں نے اس کو خراب الفاظ کہے۔ رفیق اُسی وقت ہیڈ ماسٹر صاحب کے کمرے میں گیا جو اُس وقت حضرت میر صاحبؓ تھے آپ نے فوراً مجھے طلب فرمایا اور سوٹی سے مارنا شروع کر دیا۔ آپ ساتھ ساتھ مارتے جاتے تھے اور روتے بھی جاتے تھے۔ اُس وقت تو میں نہ سمجھ سکا کہ مجھے مار بھی رہے ہیں اور رو بھی خود ہی رہے ہیں۔ دراصل اس کے بعد میں سمجھا کہ میر صاحب کیوں رو رہے ہیں۔ آپ رو رہے تھے میری بداخلاقی پر، ایک احمدی بچے کے بدکردار پر۔ افسوس میں نے اُن آنسوؤں کی اُسوقت قدر نہ کی۔ آج جب بھی مجھے خیال آتا ہے تو حضرت میر صاحب کی مقدس شکل میرے سامنے آجاتی ہے اور میری آنکھوں سے خود بخود آنسو بہہ پڑتے ہیں اور بے اختیار میرے دل سے حضرت میر صاحبؓ کے لئے دُعا نکلتی ہے کہ اے خدا تو اس پاک وجود اور احمدیت کے عظیم خادم کو اپنے خاص قرب میں جگہ دے اور مجھے توفیق دے کہ میں حضرت میر صاحب کے نقش قدم پر چل کر کچھ اسلام اور احمدیت کی خدمت کر سکوں۔

بیس سالہ تجربہ

مورخہ ۲۸ رجون ۱۹۳۷ء کو مسجد اقصےٰ قادیان کے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ نے بعض فتنوں کے ذکر میں فرمایا کہ:۔

"بیس سالہ تجربہ نے ہمیں بتا دیا کہ جو شخص بھی نظام سلسلہ سے الگ ہوا وہ اپنے مقام پر نہیں رہا بلکہ تنزل کی طرف جاتا رہا اور مطابق صحیح حدیث مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ یعنی جو شخص بھی جماعت سے الگ ہوگا وہ اس مقام پر نہیں رہے گا بلکہ آگ میں جائے گا۔"

(الفضل ۴ رجولائی ۱۹۳۷ء)

حضرت میر محمد اسحاق صاحب رضی اللہ عنہ کی قوتِ قدسیہ کا نیک اثر

(مکرم جناب فدا محمد خان صاحب بی۔اے پنشنر دارالصدر۔ ربوہ)

خاکسار ایک دُور افتادہ مقام جام پور ضلع ڈیرہ غازی خان میں پیدا ہوا۔ اس وقت اس علاقہ میں احمدیوں کی تعداد قلیل تھی۔ والد صاحب دوست محمد خان صاحب مرحوم سر جمال خان لغاری کے مینیجر جائیداد تھے اور بسلسلۂ ملازمت گھر سے باہر رہتے تھے۔ ان حالات میں میں بچپن میں احمدیت کی تعلیم و تربیت سے محروم رہا۔ ملک حبیب الرحمن صاحب حال انسپکٹر آف سکولز سرگودھا ڈویژن گورنمنٹ ہائی سکول جام پور میں میرے استاد تھے۔ ان کے مبارک وجود کے طفیل جمعہ اور دیگر جماعتی جلسوں کا باقاعدہ انتظام ہوتا اور نورِ احمدیت کی کچھ جھلکیاں نظر آتیں۔ مگر مقامِ یقین سے بہت دُور تھا اور ہوسٹل میں معترض طلباء کو جواب دینے سے قاصر۔

۱۹۲۳ء میں میٹرک پاس کر کے بہاول پور کالج میں داخل ہوا۔ تعطیلات گرما کے شروع ہوتے ہی والد محترم مرحوم مجھے اپنے ساتھ لے کر قادیان دارالامان پہنچ گئے۔ حضرت میر صاحب مرحوم اُن دنوں افسر مہمان خانہ تھے اور اپنے آفس میں تشریف فرما تھے۔ والد صاحب مجھے ساتھ لیکر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بہت ہی محبت، خلوص اور خندہ پیشانی سے ملے۔ والد صاحب نے عرض کی کہ یہ چھٹیوں میں یہاں رہے گا اس کی تعلیم و تربیت کا انتظام فرما دیں۔ حضرت میر صاحب رضی اللہ عنہ نے ایک عربی کتاب سے پہلے میرا امتحان لیا کہ میری عربی تعلیم و واقفیت کس حد تک ہے۔ اور اس کے بعد ایک جامع روزانہ پروگرام اپنے ہاتھ سے مرتب فرمایا جس میں مسجد مبارک میں صبح کی نماز کی ادائیگی، حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم کے درس میں شمولیت اور پھر خلافت لائبریری میں کتب کا مطالعہ (جن کے نام انہوں نے خود تجویز کئے) ظہر و عصر اور مغرب میں مسجد مبارک میں حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی پاک مجالس میں شرکت اور مسجد اقصیٰ میں درس سُننا وغیرہ شامل تھے۔ یہ وہ مقامات تھے جہاں نور، ایمان اور معرفت کے چشمے رواں تھے۔ چند ماہ میں روحانی ترقی اور حق الیقین کے مدارج حاصل ہوئے اور رؤیائے صادقہ و بشارتوں کی نعمت ملی۔

حضرت میر صاحب رضی اللہ عنہ کو مہمانوں کی روحانی و جسمانی پرورش کی فکر رہتی تھی۔ مہمان خانہ میں خود تشریف لا کر دریافت کرتے کہ کوئی تکلیف تو نہیں۔ بلکہ بغیر کہے خود ہی آرام کے سامان مہیا فرماتے۔ اور کئی دفعہ ایسا ہوا کہ جاتے جاتے راستہ میں ٹھہر جاتے اور خیریت اور تعلیم و تربیت کے پروگرام کے متعلق دریافت فرماتے۔

ان کی حقیقی محبت، اخلاص اور خندہ پیشانی کی تصویر آج تک آنکھوں کے سامنے ہے

ان کی توجہ اور ذرّہ نوازی نے خاکسار کو احمدیت کے نور سے منور کیا اور یقین اور معرفت حاصل ہوئی۔ بی۔ اے کرنے تک ہر سال چار سال تک میرا یہی دستور رہا کہ چھٹیوں کے ایام حضرت میر صاحب کی تربیت میں گزارتا۔ بہاول پور ریاست تھی اور احمدیت کے لئے سنگلاخ زمین۔ مخالفت زوروں پر تھی۔ تنسیخ نکاح کے مقدمے چل رہے تھے۔ کالج اور ہوسٹل میں اطمینان سے رہنا ناممکن۔ پروفیسروں اور طلباء سے احمدیت پر مناظرے، متعصب طلباء کی طرف سے طعنے، مارپٹائی، دلآزاری اور قتل کی دھمکیاں ایسے گزر گئیں جیسے ایک چٹان سے سمندر کی لہریں ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتی ہیں۔ یہ سب کچھ حضرت میر صاحب رضی اللہ عنہ جیسے بابرکت وجود کی توجہ اور تربیت کا نتیجہ تھا۔

یہ سطور لکھنے کے بعد دل مغموم ہے کہ ایسے بابرکت وجود اپنے فرائض کو پورا کر کے رضی اللہ عنہ کے مصداق ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اپنی رحمت سے ایسے بہت سے مبارک وجود سلسلہ عالیہ احمدیہ کو بخشے۔ تا قیامت تک اسلام اور احمدیت کا جھنڈا بلند سے بلند تر ہوتا جائے۔ آمین۔

گھر میں تراویح کا انتظام

جن ایام میں آپ ریاست پٹیالہ میں اپنے بڑے بھائی حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ کے مکان میں رہا کرتے تھے اُن دنوں کا واقعہ ہے حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ خیرکم خیرکم لاھلہ کے پورے مصداق تھے۔ نماز تراویح چونکہ فرض نمازوں میں سے نہیں لیکن دوسری طرف اس نماز کا فائدہ بھی عظیم الشان ہے اس لئے آپ اس خیال سے کہ اہل و عیال بھی محروم نہ رہیں مکرم حافظ محمد سلیم احمد صاحب اٹاوی کو گھر پر بُلا کر اُن سے قرآن کریم ختم کروایا کرتے تھے اور اس کا طریق یہ ہوتا تھا کہ باہر کھلے میدان میں گھر کے مرد افراد اور دو ایک طالب علم کھڑے ہو جایا کرتے تھے اور اندر مستورات کھڑی ہو جاتی تھیں۔ سامع عموماً آپ خود ہوا کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ جب کبھی حافظ صاحب بھول جاتے آپ فوراً لقمہ دیتے اور وہ بالکل صحیح ہوتا۔ بعد میں پوچھنے پر فرماتے کہ قرآن کریم پڑھتے پڑھتے ہمیں اتنی مہارت ہوگئی ہے کہ مضمون کے لحاظ سے ہم بتا دیتے ہیں کہ اس سے آگے یہ آیات ہیں۔ اللّٰھم صلّ علیٰ محمّدٍ وعلیٰ آلِ محمّدٍ

(شیخ عبدالقادر)

حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ سے متعلق چند قیمتی یادیں

(از محترم جناب مولوی برکت علی صاحب لائق لدھیانوی۔ حال جڑانوالہ)

(۱)

یادش بخیر پہلے پہل میر صاحبؓ سے خاکسار کو اُس وقت تعارف حاصل ہوا جبکہ ان کا عنفوانِ شباب تھا۔ یعنی اُٹھتی جوانی تھی۔ مسیں بھیگ رہی تھیں۔ چہرے پر سبزہ کا آغاز تھا۔ آپ دہلی سے تخت گاہِ رسول قادیان کو تشریف لے جا رہے تھے۔ جماعت احمدیہ لدھیانہ کی خوش بختی نے آپ کو چند گھنٹوں کے لئے لدھیانہ میں ٹھہرا لیا۔ جمعۃ المبارک کا دن تھا۔ جماعت کی درخواست پر آپ نے جمعہ پڑھایا۔ خطبہ کا موضوع "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" تھا۔ تقریر کے دوران اس صالح نوجوان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کے آثار موتیا کی کلیاں بکھیر رہے تھے اور منہ سے عرفان و معرفت کے پھول جھڑ جھڑ کر سامعین کو گل بداماں کر رہے تھے۔ کلمۂ طیبہ کے دونوں حصوں "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" اور "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" کو اس طرح باہم ارتباط اور مطابقت دیکر ہم آغوش کیا کہ عالمِ تصور میں "قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی" کا نقشہ آنکھوں کے سامنے کھچ گیا۔ اب تک وہ نورانی سماں یاد آکر آنکھوں میں نور اور دل میں سرور پیدا کر جاتا ہے۔ آپ نماز جمعہ کے بعد قادیان تشریف لے گئے۔ احباب جن میں کثرت صحابہؓ کی تھی میر صاحبؓ کی تعریف میں رطب اللسان ہو کر شادکام ہو رہے تھے۔ قاضی خواجہ علی صاحبؓ نے فرمایا "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات"۔ شاہزادہ عبدالمجید صاحبؓ شہید ایران اپنی دھیمی اور شیریں زبان میں گویا ہوئے "سالے کہ نکوست از بہارش پیداست"۔ خاکسار عرض کرتا ہے ؎

بالائے سرش ز ہوشمندی　٭　می تافت ستارۂ بلندی

(۲)

حضرت میر صاحبؓ کی اہلی زندگی کا آغاز اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نہایت بابرکت طریق پر ہوا۔ جبکہ پیر منظور محمد صاحبؓ کی دختر فرخندہ اختر آپ کے حبالۂ ازدواج میں آئیں۔ پیر منظور محمد صاحبؓ موجد قاعدہ یسرنا القرآن لدھیانہ کے رہنے والے اور صوفیٔ باصفا صوفی احمد جان صاحب مرحوم کے فرزند ارجمند تھے۔ صوفی صاحب موصوف عالم باعمل مشائخ میں سے تھے اور ان کے ہاں رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری تھا۔ یہ وہ بزرگ تھے جن کی نگاہِ حقیقت شناس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرۂ مبارک پر پہلی نظر ڈال کر نبوت اور ماموریت کی نورانی کرنوں کو جلوہ ریز اور تجلی ریز دیکھ لیا تھا اور حضورؑ کے دعوے سے پہلے ہی ایک اشتہار کے ذریعہ حضرت

مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب کر کے کہا تھا ؎

سب ترقیوں کی ہے تمہیں پہ نظر ؎ تم مسیحا بنو خدا کے لئے

خاکسار کے سسرال کا سارا خاندان صوفی احمد جان صاحب کے عقیدت شماران با وفا اور ارادت کشان باصفا میں سے تھا۔ اس رشتہ کی وجہ سے خاکسار میر صاحبؓ کے زیادہ قریب ہو گیا۔ میر صاحبؓ کا بچپن ایک طرح سے گویا حضرت مسیح پاکؑ کی گود میں پروان چڑھا تھا۔ آپ کی صحبتِ پاک سے دینیات اور روحانیات سے حصّہ وافر نصیب ہوا۔ پھر حضرت مصلح موعود امیر المومنین کے حقیقی ماموں جان۔ اس نسبت نے بھی کمالاتِ دینی و دنیوی میں خاص طور پر بہرہ ور کیا۔ رفیقۂ حیات ایک بزرگ اور صاحبِ روحانیات خاندان کی چشم و چراغ اور عالمہ و فاضلہ۔ خود میر صاحب آسمانِ روحانیت کے مقدس چاند تاروں کے انفاس قدسیہ سے کندن بنے ہوئے عالم بے بدل اور فاضل اجل تھے۔ اس پیوند سے ایسا نہالِ پُربہار پیدا ہوا جس کو اللہ تعالیٰ نے مثمر ثمرات حسنات بنایا۔ آپ کے لائق، دیندار اور دین کی خدمت کرنے والے بیٹے اور بیٹیاں اس پر شاہد ناطق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو نوازا اور برکت دی۔ ع وزیرے چنیں شہریارے چنیں

(۳)

میر صاحبؓ نے عملی زندگی کے میدان میں جب قدم رکھا تو کلّی طور پر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا اور سلسلۂ عالیہ کے چمن زار کی آبیاری کو اپنے روزمرہ کا شیوہ بنا لیا تھا۔ پہلے مدرسہ احمدیہ کی ہیڈ ماسٹری کے ماتحت علمی خدمت کرتے رہے۔ اب تک آپ کے شاگرد آپ کے تبحرِ علمی، کردار کی بلندی اور اخلاقِ حسنہ کو بخوبی بیان کرتے ہیں۔ اور آپ کے طرزِ تعلیم اور اسلوبِ بیان کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہیں۔ آپ نے عشقِ رسولؐ اور محبتِ سرورِ کونینؐ میں اس قدر گداز دل پایا تھا کہ احادیثِ نبوی کا بیان اور اشاعت آپ کی روح کی غذا بن گئے تھے۔ جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآن کریم کی عملی تصویر تھی، اسی طرح میر صاحبؓ کے بیان کردہ نکاتِ حدیث نے قرآن کریم کی ایک احسن تفسیر کا روپ دھار لیا تھا۔ آپ جب کسی حدیث کی تشریح فرماتے تھے تو اہلِ مجلس ایسا محسوس کرتے تھے کہ وہ دربارِ رسولؐ میں بیٹھے رسالتمآبؐ کے اقوالِ مقدسہ سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ آپ کی پُرزور، روح پرور، ایمان افزا فصاحت و بلاغت کے سادہ الفاظ میں لپٹی ہوئی تقریریں میرے اس بیان کی تصدیق کرتی ہیں۔ غالباً آخری تقریر وہ تھی جو آپ نے کیف انتم اذا نزل فیکم ابن مریم۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الخ کی تشریح میں ارشاد فرمائی تھی۔ میں اس گرانمایہ تقریر کے کچھ اقتباس پیش کرتا مگر ایک ماہوار رسالہ کے محدود اوراق اس بات کے متحمل نہیں ہو سکتے کہ مضمون کو طول دیکر مختلف اقتباسوں اور حوالوں سے مزیّن کیا جائے۔ مختصر یہ کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی اور آپ کے روحانی مقام کی بلندی کے بیان

کے بعد ابن مریم کے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کی شکل میں نزول اور ان کے مقام نبوت کا صعود فضا کے سیمیں پردہ پر آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ سامعین محویت کے عالم میں ہمہ تن گوش بنے ہوئے تھے۔ اور ؎
بلبل چہک رہا تھا ریاضِ رسولؐ میں

(۴)

سب سے پہلے میر صاحبؓ نے ہی چہل حدیث کا گلدستہ احباب جماعت کے سامنے پیش کیا جو چالیس چھوٹی چھوٹی حدیثوں اور اُن کے ترجمہ پر مشتمل تھا۔ مخدومی حضرت صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحب نے محبتِ رسولؐ میں کمال کو پہنچ کر چالیس حدیثوں کا ایک ایسا مائدہ احباب جماعت کے آگے بچھا دیا جو دینی، اخلاقی، روحانی اور تربیتی لحاظ سے ایک صحت مند اور رُوح پرور غذا کا سامان اپنے اندر رکھتا ہے۔ پھر حضرت میاں صاحب کے ہر ایک حدیث کے متعلق مختصر اور جامع نوٹ سونے پر سہاگہ کا کام دے رہے ہیں۔ اُدھر میر صاحبؓ کا دل عشقِ رسولؐ میں گداز تھا اِدھر حضرت میاں صاحب کا قلبِ وسیع مہبطِ انوارِ سماوی بن رہا ہے جس میں شفیع المذنبینؐ کی محبت کی چنگاریاں ہر وقت کلیلیں کرتی اور گدگدیاں لیتی رہتی ہیں۔ احباب کرام مجھے معاف فرمائیں اس محبت، خلوص اور احترام کے تقاضا سے جو مخدومی صاحبزادہ صاحب کی طرف سے میرے دل کی گہرائیوں میں جاگزیں ہے میں اِس جملہ معترضہ کے بیان سے نہیں رُک سکتا کہ حضرت میاں صاحب نے عشقِ رسولؐ کی تڑپ سے کام لیکر جو اُن کے عمیق گوشوں میں بجلی کی طرح بیتاب رہتی ہے چالیس جواہر پارے پیش کر کے جماعت کے تہی داماں دوستوں کی جھولیوں کو زر بداماں کر دیا ہے۔ احباب جماعت کو ان جواہر پاروں کی قدر و قیمت کو پہچاننا چاہیئے اور ان سے استفادہ حاصل کر کے آپ کے حق میں دُعا کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے تقاضے کے ماتحت دنیا کے عموم و خصوص کو آپ کی ذاتِ ستودہ صفات سے ہمیشہ دُور رکھے، صحت و کام کرنے والی زندگی میں ارزانی فرمائے اور بیش از بیش خدمتِ دین کی توفیق بخشے۔ آمین! ؎ یرحم اللہ عبداً قال امینا۔

(۵)

محبت بھرے جذبات کی رَو مجھے کہاں سے کہاں لے گئی۔ پھر اپنے مقصد کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ گزشتہ مجلس مشاورت کے موقع پر نمائندگان اور مہمانوں کو دعوت دیکر مرکزنے قادیان کی یاد اور پُرانی روایت کو زندہ کر دیا۔ وہاں ہمارے آقا ایدہ اللہ بنصرہ اپنی طرف سے مشاورت کے موقع پر ایک دعوت دیکر اپنے خدام کے لئے خوانِ یغما بچھاتے تھے اور خود بھی از راہِ ذرہ نوازی خدام دنا کیش کے ساتھ دسترخوان پر تشریف رکھتے تھے۔ ہمارا شافیٔ مطلق خدا حضرت اقدس کو شفائے کاملہ و عاجلہ عطا فرمائے۔ آمین
۲۴ مارچ کو ایک بجے کے بعد مشاورت کی کارروائی بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوئی اور ہم مہمانخانے میں

پہنچے۔ احباب کرام کے دو گروپ دو پلاٹوں میں بیٹھے کھانا تناول فرما رہے تھے اور بہت سے معزز دوست ان کے گرد اگرد کھڑے کھانے والوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ شاید ان کی لقمہ دہانی پر تنقید کر رہے ہوں۔ یہ اس بات کا نتیجہ تھا کہ کھانے والے احباب کے علاوہ مزید احباب کے لئے کوئی انتظار گاہ نہیں بنائی گئی تھی جہاں بیٹھ کر وہ آرام کے ساتھ اپنی باری کا انتظار کرتے۔ معلوم نہیں مکھیوں کی کثیر تعداد ناخواندہ مہمان بن کر آ گئی تھی یا لنگر خانے کے ذمہ دار اصحاب نے بکھرے ہوئے کوڑے کرکٹ کی وساطت سے انہیں مدعو کیا ہوا تھا۔ بہرکیف ہم آگے بڑھے اور مہمان خانہ کے افسر صاحب کی خدمت میں سلام مسنون نیاز مشحون عرض کیا۔ انہوں نے مسنون جواب دیا مسکرائے اور ایک طرف کو چل دیئے۔ ہم منہ دیکھتے رہ گئے۔ سامنے ہمیں ایک کمرہ کا دروازہ معشوقانہ انداز سے کھلا ہوا نظر آیا جس میں کھانے کی چند میزیں لگی ہوئی تھیں۔ ہم نے سمجھا یہاں ہماری دال گل جائے گی۔ آگے بڑھے تو ایک بڑی جماعت کے امیر صاحب دروازہ میں تشریف فرما تھے۔ عبوسًا قمطریراً ہو کر فرمایا یہ کمرہ ہمارے چھ آدمیوں کے لئے ریزرو ہے آپ دوسری جگہ جائیں۔ ہم اپنا سا منہ لے کر رہ گئے اور برآمدہ میں ننگی زمین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئے۔ کوئی ایک گھنٹہ دھونی رمانے کے بعد ہمیں ایک کمرہ میں کھانے کے لئے بلایا گیا۔ کھانے کے دوران میں معلوم ہوا کہ ہمارے دائیں طرف کی قطار میں کئی دوست چاولوں سے محروم ہیں۔ ہم نے چلا کر اس کمرے کے مہمان نوازوں کو پکارا کہ ان دوستوں کے آگے بھی چاولوں کی پلیٹیں رکھو۔ غالباً وہاں ایسے مہمان نوازوں کی ڈیوٹی لگائی گئی تھی جو قوت سامعہ سے آزاد تھے۔

اس وقت میر محمد اسحاق صاحب کی افسری کا زمانہ ہماری آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ کہ جب مہمان خانہ میں جاتے تھے تو میزیں بے داغ اور دستر خوان صاف ستھرے پاتے تھے۔ میر صاحب فرداً فرداً مہمانوں کے پاس پہنچتے تھے اور ایک ایک سے پوچھتے تھے۔ کسی چیز کی ضرورت؟ کارکنوں کو ہدایات ملتی تھیں۔ فلاں جگہ سالن پہنچاؤ۔ فلاں صاحب کو روٹی کی ضرورت ہے۔ پانی گلاس صاف کر کے لاؤ۔ غرض وہ ہمارا مخدوم خادموں کی طرح خاطر تواضع کرتا تھا۔ ان کے چہرے کی بشاشت، ہونٹوں پر کھیلتی ہوئی مسکراہٹ، زبان کی شیرینی، گفتگو کی نرمائش، اخلاقی وسعت اور پاکیزہ مزاج، یہ چند وہ صفات تھیں جن کی وجہ سے میر صاحبؓ کی ذات میں ایک محبت آمیز کشش پیدا ہو گئی تھی اور دوست کچے دھاگے سے بندھے ہوئے آپ کی طرف بے ساختہ کھچے چلے آتے تھے ؎ بہ شیریں زبانی و لطف و خوشی ٭ توانی کہ پیلے بموئے کشی

(۶)

پادری جوالا سنگھ صاحب عیسائیت کے ایک بہت بڑے منّاد تھے۔ جس طرح "خداوند یسوع" تمثیلوں میں کلام کیا کرتے تھے پادری صاحب منطق اور فلسفہ میں باتیں کرتے تھے۔ فلاسفی میں اس قدر ید طولیٰ رکھتے تھے کہ

از مرتا پا پیکرِ فلسفہ تھے۔ مدتِ مدید گزری کہ وہ لدھیانہ تشریف لائے۔ چوڑے بازار کے گرجا میں دھواں دھار تقریروں کا سلسلہ شروع کیا۔ تثلیث، اقنومِ ثلاثہ، کفارہ اور الوہیتِ مسیح کی کڑوی گولیوں کو منطق اور فلسفہ کی چاشنی سے شوگر کوٹڈ کرکے پبلک کے سامنے پیش کرتے تھے۔ لدھیانہ کی پڑھی لکھی پبلک ان کے لیکچروں سے کافی متاثر ہو گئی۔ وہ جوشِ خطابت میں مسلمانوں کو بار بار چیلنج کرتے تھے۔ چند پڑھے لکھے علم دوست نوجوانوں کی رگِ حمیت پھڑکی اور وہ امرتسر سے مولوی ثناء اللہ صاحب کو مقابلہ کے لئے لے آئے۔ پادری صاحب نے تیندوے کی طرح منطق اور فلسفہ کی تاریں چاروں طرف بچھا دیں۔ مولوی صاحب ان تاروں میں الجھ کر رہ گئے اور پادری صاحب کے دلائل کے سیلاب کے سامنے ان کے پیر اکھڑ گئے۔ مسلمانوں کو سخت ندامت اٹھانی پڑی اور وہ اس خیال کے اظہار پر مجبور ہو گئے کہ انہیں قادیان سے کسی عالم کو لانا چاہیئے تھا۔

پادری صاحب لدھیانہ سے یلغار کرتے ہوئے گوجرانوالہ جا گرجے۔ وہاں حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ پادری جوالا سنگھ صاحب تو ہوا کے گھوڑے پر سوار تھے، شعلۂ جوالا بن کر بھڑکے اور بساطِ مناظرہ پر ایمان سوز فلسفہ کے مہرے بکھیرنے شروع کر دیئے اور دلائلِ باطلہ کے پیادے دوڑانے لگے لیکن یہاں مشیتِ الٰہی کا رُخ کسی اور طرف تھا۔ میر صاحبؓ نے قرآنی فلسفہ کے پیادے آگے بڑھائے اور ایک حقیقت شناس شاطر کی حیثیت سے ایمان افروز دلائلِ قاطعہ اور براہینِ ساطعہ سے پادری صاحب کا قافیہ تنگ کر دیا اور فرزینِ عقل سے ایسی زبردست شہ دی کہ پادری صاحب مات کھا گئے اور کھیل ختم ہو گیا ؎

کالی جو شاہِ فلسفی کی رات ہو گئی ٭ بازی بس ایک چال میں ہی مات ہو گئی

اللہ اکبر کے فلک بوس نعروں سے میدانِ مناظرہ گونج اٹھا اور مبارکباد کے نشاط افزا ترانوں نے اردگرد کی فضاؤں میں سامعہ نواز موسیقی گھول دی۔ مسلمانوں نے آگے بڑھ بڑھ کر میر صاحبؓ کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے اور فتح و ظفر کے شادیانے بجاتے ہوئے اس فتح نصیب جرنیل کو جلوس کی صورت میں شہر میں لائے۔

(۷)

ستمبر ۱۹۲۲ء میں حضرت اقدس المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے قرآن کریم کے پہلے دس سپاروں کا سورۂ توبہ تک تفسیری درس دیا تھا۔ پھر ستمبر ۱۹۲۸ء میں سورۂ یونس سے سورہ کہف تک پانچ سپاروں کی تفسیر پڑھائی تھی۔ میں اپنے طالع کی یاوری پر جس قدر بھی ناز کروں بجا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دونوں دفعہ باقاعدہ مستعلین میں شمولیت اختیار کرکے حضرت اقدس کی شاگردی کا فخر حاصل کیا۔ حضرت امیر المومنین صبح سات بجے سے شروع کرکے سوائے کھانے اور ظہر کی نماز کے وقفے کے نماز عصر تک متواتر درس جاری رکھتے۔ نمازِ عصر کے بعد حضرت میر صاحبؓ بعض موضوعات لیکر مختلف عنوانوں اور ان کی ذیلی سرخیوں پر نوٹ

لکھواتے تھے۔ یہ نوٹ اپنے اندر اس قدر جامعیت اور ایجاز لئے ہوئے ہوتے تھے کہ نوٹوں کی مدد سے ایک ایک عنوان کے ماتحت میں نے دو دو گھنٹے کی طویل تقاریر مرتب کیں۔ بعض اوقات ان تقریروں میں غیر احمدی علماء بھی موجود ہوتے تھے۔ اب میر صاحبؓ کے ساتھ شاگردی کی نسبت بھی قائم ہو گئی اور استادی شاگردی کی اس نسبت نے ہم دونوں کو قریب سے قریب تر کر دیا۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

(۸)

جب المصلح الموعود والی عظیم الشان پیشگوئی کا ظہور ہوا تو اس سلسلہ میں سب سے پہلے ۲۰ رفروری ۱۹۴۴ء کو ہوشیارپور میں ایک جلسہ انعقاد پذیر ہوا جس میں حضرت اقدس نے ڈنکے کی چوٹ اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا ہے کہ المصلح الموعود والی پیشگوئی کا حقیقی مصداق میں ہوں اور میرے وجود میں یہ پیشگوئی منصۂ ظہور پر آئی ہے۔ میری خوش نصیبی مجھے بھی ہوشیارپور کے جلسہ میں لے گئی اور ہوشیارپور میں اس کمرہ کو دیکھنے اور اس میں دعا کرنے کا شرف حاصل ہوا جس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چلہ کشی فرمائی تھی اور تضرع اور ابتہال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور پُرسوز دعائیں کی تھیں جن کو پایۂ قبولیت جگہ دیکر یہ رحمت کا نشان اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا تھا۔ میں نے اس تقریب سعید پر ایک فارسی نظم لکھی تھی جس کے کچھ شعر یاد رہ گئے ہیں:۔

صد شکر مر خدا را فصلِ بہار آمد ❊ در نخلِ آرزویم شاخے ببار آمد
بادِ سے وزید و ما را تازہ نمود جانہا ❊ از ہر طرف نسیمے مشکِ تتار آمد
ناگہ صبا رسید و مژدہ رساند و گفتا ❊ سروِ سہی ز فضلش در جویبار آمد
فرزندِ ارجمندے مصداقِ پیشگوئی ❊ اندر شہود آمد دل کامگار آمد
آں مصلحِ زمانی نورِ سیت آسمانی ❊ فضلِ عمر بنامے از کردگار آمد
در ملکِ مدح لائقؔ سُفتہ شد است دُرہا ❊ بر نظمِ تو از انجا نثرہ نثار آمد

۲۰ رفروری کو صبح صبح میں اپنی قیامگاہ سے جلسہ گاہ کی طرف جا رہا تھا کہ دوسرے راستے پر میر صاحبؓ جو قادیان والے قافلہ کے میر کارواں تھے تین چار دوستوں کے ہمراہ اپنے ڈیرے سے تشریف لاتے ہوئے دکھائی دیئے۔ چوک میں ملاقات ہو گئی۔ پُرجوش تپاک سے بغلگیر ہو کر ملے اور فرمایا لائقؔ صاحب ہم ابھی ابھی "الفضل" میں آپ کی نظم پڑھ کر آ رہے ہیں۔ بہت اچھی نظم ہے۔ پڑھ کر طبیعت خوش ہو گئی۔ عرض کیا محترم میر صاحب! یہ آپ کی حسن ظنی، ذرہ نوازی اور حوصلہ افزائی ہے ورنہ من آنم کہ من دانم۔ ہیچ ہے۔ چشم دوست عیب بیں نباشد

(۹)

لدھیانہ میں ۲۳ رمارچ ۱۹۴۴ء کے دن المصلح الموعود کا جلسہ منعقد ہونا قرار پایا تھا۔ ۲۳ رمارچ کا دن ہم نے

اس لئے مقرر کیا تھا کہ اسی تاریخ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لدھیانہ کے مقام پر (دار البیعت میں) بیعت کا آغاز فرمایا تھا۔ ۲۳ مارچ ۱۸۸۹ء گویا جماعت احمدیہ کی پیدائش کا دن تھا۔

جماعت احمدیہ لدھیانہ نے چاہا کہ ۲۳ مارچ سے پیشتر چھوٹے پیمانہ پر ایک جلسہ مقامی کر لیا جائے ہم نے حضرت میر صاحبؓ کو رضامند کر لیا کہ وہ ہمارے مقامی جلسہ میں رشد و اصلاح سے بھری ہوئی اپنی تقریر دلپذیر سے جلسہ کی رونق بڑھائیں گے۔ مگر آہ! "ما در چہ خیالیم و فلک در چہ خیال است" جلسہ کی تاریخ سے دو روز پہلے یہ خبر وحشت اثر ہمارے دلوں کو حزیں بنانے کے لئے کانوں نے سُنی کہ میر صاحبؓ لدھیانہ کے راستے پر گامزن ہونے کی بجائے ایک ایسے موڑ پر پہنچ گئے جہاں سے اس جہان کو راستہ جاتا ہے جہاں دائمی زندگیاں ملتی ہیں اور مالک حقیقی نے اپنے پیارے بندے کو اپنے پاس بلا لیا ہے ؎

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد	؎	روئے گل سیر ندیدم و بہار آخر شد

لیکن ؎	بلانے والا ہے سب سے پیارا	؎	اُسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

آخر میں خاکسار درد مند دل اور رقت بھری التجاؤں کے ساتھ اپنے آسمانی آقا کے حضور دعا کرتا ہے کہ وہ حضرت میر صاحبؓ کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے کر آپ کے درجات بلند فرمائے۔ آپ کی اولاد کو صحت سے بھرپور خدمتِ دین والی لمبی عمریں نصیب کرے اور انہیں اپنے والد بزرگوار کے تبحر علمی کا وارث بنائے اور تقویٰ اور طہارت کی ان راہوں پر گامزن ہونے کی توفیق بخشے جن پر حضرت میر صاحب اپنی زندگی کے ایام میں چلتے رہے۔ آمین! ؎ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد ؎

خلافت سے وابستگی

حضرت میر محمد اسحاق صاحب رضی اللہ عنہ نے ۱۹۳۷ء میں ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"تجربہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ جس نے بھی خلافت سے وابستگی کو ترک کیا وہ تنزل کے گڑھے میں گر گیا۔ ان لوگوں (مخرجین) کی بات تب صحیح ہوتی جب وہ خلافت سے علیحدہ ہونے کے بعد بھی صحیح عقائد پر قائم رہتے۔ مگر واقعات بتا رہے ہیں کہ جب انہوں نے خلیفۂ وقت کی اطاعت سے روگردانی کی تو آہستہ آہستہ سابقہ عقائد بھی چھوڑتے گئے۔"

(الفضل ۴ جولائی ۱۹۳۷ء)

میری بعض یادداشتیں

(از مکرم جناب مولانا محمد سلیم صاحب فاضل سابق مبلغ بلاد عربیہ)

یادش بخیر، استاذی المکرم حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے اور جب بھی یاد آتے ہیں اور اکثر و بیشتر یاد آتے ہیں تو اس امر کا شدید احساس ہوتا ہے کہ آپ کی وفات حسرت آیات سے پیدا ہونے والا خلا پُر ہونا نہ ہوگا، اِلّا اَن یَشَاءَ اللّٰہ ۔ تمام جماعت احمدیہ میں آپ کا دائرہ تعارف بے حد وسیع و وقیع تھا اور سلسلہ کے تمام کاموں سے آپ کی دلچسپی اور مفوضہ فرائض کی انجام دہی میں آپ کا کلّی انہماک اپنی مثال آپ تھا۔ آپ کی مقناطیسی شخصیت ہر خورد و کلاں پر یکساں اثر انداز ہوتی تھی اور آپ ہر مجلس پر پوری طرح چھا جایا کرتے تھے۔ ذیل میں آپ سے متعلقہ چند متفرق یادیں تحریر کی جاتی ہیں :-

ایک مرتبہ جب کہ ناچیز راقم جامعہ احمدیہ میں تعلیم پا رہا تھا استاذی المکرم حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب ہلال پوری مسجد مبارک میں تشریف فرما تھے ناچیز راقم بھی وہاں جا پہنچا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہیئے حضرت میر صاحب کیسا پڑھاتے ہیں ؟ میرے مُنہ سے بے ساختہ نکلا کیا بیان کروں مولانا! بس یوں سمجھیئے کہ سبق میں جان ڈال دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے موصوف کو زبردست قوت بیانیہ عطا فرمائی ہے چنانچہ کوئی مسئلہ خواہ کتنا ہی اُلجھا ہوا کیوں نہ ہو میر صاحب کے سامنے آیا نہیں اور سیدھا ہوا نہیں۔ ہماری طرح نہیں کہ بیان کرنے لگیں تو سیدھا سادا مسئلہ بھی اُلجھ کر رہ جائے۔ پھر آپ نے بڑے مؤثر انداز میں یہ شعر پڑھا ؎

ایک ہم ہیں کہ لیا اپنی ہی صورت کو بگاڑ　　٭　　ایک وہ ہیں جنہیں تصویر بنا آتی ہے

(۲)

حضرت میر صاحب مرحوم ہمیشہ اپنے شاگردوں کو روزانہ ڈائری لکھنے کی تاکید فرمایا کرتے تھے اور اکثر اس کے فوائد اور اہمیت پر زور دیا کرتے تھے اور دلی جذبہ سے ان میں ڈائری نویسی کا شوق پیدا کرنے کی کوشش فرمایا کرتے تھے۔ کبھی فرماتے دیکھو اگر حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی حضورؐ کی تحریر شدہ روزانہ ڈائری مل جائے تو وہ کس قدر قیمتی جواہر پاروں پر مشتمل ہوگی۔ کبھی حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ کی روزانہ ڈائری کا تذکرہ فرماتے تھے کہ خواجہ حسن نظامی مرحوم کی روزانہ ڈائری کے دلچسپ واقعات بیان فرماتے۔ اور کبھی کبھی تو اپنی پرائیویٹ ڈائری بھی پڑھ کر سُنا دیا کرتے اور فرماتے دیکھو مَیں نے تمہارے اندر ڈائری نویسی کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے

اپنی ذاتی ڈائری بھی پڑھ کر سنا دی ہے کیا تم اب بھی ڈائری نہ لکھو گے ؟

(۳)

حضرت میر صاحب مرحوم ایک عرصہ دراز تک قوم کے یتیم، لاوارث، نادار اور بے سہارا بچوں کی خدا کاذ دیکھ بھال کرتے رہے ہیں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ آپ ان کے ضروری اخراجات کا انتظام و انصرام کہاں سے فرماتے تھے تاہم آپ کے زیر سایہ ایسے بچوں کی ایک بہت بڑی تعداد پدرانہ رأفت و شفقت کے مزے لوٹتی رہی ہے ایک دفعہ آپ احمدیہ چوک میں کھڑے تھے کہ یہ بچے نماز ظہر کے لئے ایک قطار میں مسجد اقصیٰ کی طرف جارہے تھے۔ آپ نے قوم کے اس سرمایہ کو دیکھا اور بار بار دیکھا اور پھر آبدیدہ ہو کر فرمایا میں نے ایک باغ لگایا ہے اور یہ بچے اس باغ کی ننھی ننھی کلیاں اور لب بند غنچے ہیں۔ زہے نصیب کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں میری یہ حقیر خدمت مسعی مشکور بن جائے اور میری نجات کا سامان ہو جائے۔

(۴)

آپ کی انتظامی قابلیت مسلّم تھی اور اگرچہ ہر شعبہ جس میں آپ نے کام کیا آپ کی تنظیمی صلاحیتوں کے صدقے میں چمک اٹھا اور اس میں ایک جاذبیت اور کشش پیدا ہو گئی۔ تاہم جلسہ سالانہ کے ایام میں تو آپ کی یہ قابلیت پورے جوبن پہ ہوتی تھی اور آپ نہایت ہی کامیابی کے ساتھ افسر جلسہ سالانہ کے عہدۂ جلیلہ کی تمام تر ذمہ داریوں کو ادا فرماتے تھے۔

کون نہیں جانتا کہ ایک معمولی سی ضیافت کا انتظام بھی گوناگوں پریشانیوں کا موجب ہو جایا کرتا ہے۔ لیکن جلسہ سالانہ قادیان کے موقعہ پر کم و بیش پچاس ہزار نفوس کے خورد و نوش کا بہترین بندوبست میر صاحب مرحوم کے حسن انتظام کا شاہکار تھا۔

(۵)

ایک دفعہ جب کہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے حکم خاص سے بیٹ کے علاقہ میں تبلیغ عام پہ زور دیا گیا اور لوگ بکثرت احمدیت میں داخل ہونے لگے تو قصبہ کا ہنود ان میں غیر احمدیوں نے ہمیں مناظرہ کیلئے للکارا۔ اس وقت جامعہ احمدیہ قادیان کے ناتجربہ کار طلباء ہی مناظرات کے میدان میں پیش پیش تھے بکوم جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب ناظر دعوۃ و تبلیغ بھی موقعہ پر موجود تھے۔ یہ صورت حال دیکھ کر بیٹ کے معززین مبائعین نے اصرار کیا کہ ہماری طرف سے کوئی کہنہ مشق مناظر پیش ہونا چاہیئے۔ چنانچہ اس غرض سے حضرت میر صاحب مرحوم کا نام لیا گیا۔ شاہ صاحب موصوف جناب مفتی فضل الرحمٰن صاحب مرحوم و مغفور کے ہمراہ ان کے پرائیویٹ تانگہ میں حضرت میر صاحبؓ کو لانے کے لئے قادیان پہنچے۔ اس روز ایسی بے پناہ بارش ہوئی کہ سارا

راستہ حل تھل ہو گیا۔ یہ لوگ رات کو قادیان پہنچے اور اُسی وقت حضرت میر صاحبؓ سے ملاقات فرمائی۔ مگر دیکھا کہ آپ دمہ کے شدید دورہ میں مبتلا ہیں اس لئے صرف بیمار پُرسی پر اکتفا کی۔ لیکن آپؓ نے بھانپ لیا کہ اس بے وقت آمد کے پس پردہ ضرور کوئی راز ہے۔ چنانچہ آپؓ کے اصرار پر سب حال کہنا پڑا۔ جسے سُن کر آپؓ نے فرمایا کہ اگرچہ میں بول نہیں سکتا لیکن میں کا ہنوواں ضرور چلوں گا۔ ہو سکتا ہے کہ میں کوئی خدمت بجا لا سکوں۔ شاہ صاحب موصوف نے ہر چند منع کیا کہ اس حالت میں ناہموار اور غرقاب راستوں میں تانگے کا سفر سخت مخدوش ہے لیکن وہ مردِ مجاہد باز نہ آیا اور میدانِ مناظرہ میں پہنچ کر دم لیا۔ صدارت فرمائی اور ناچیز راقم کو اپنے پاس بٹھا کر بار بار تھپکی دی، حوصلہ بڑھایا اور زرّیں نصائح سے نوازا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عاجز تینوں اختلافی مسائل پر نہایت کامیاب مناظرے ہوئے۔ ازاں بعد اس علاقہ میں غیر احمدیوں کو احمدیوں کے مُنہ آنے کا کبھی حوصلہ نہ ہوا۔

دو قابلِ قدر سبق

(۱) اساتذہ کا احترام

سنہ ۱۹۲۳-۲۴ء میں خاکسار تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان میں ٹیچر تھا اور شہر میں مسجد فضل کے پاس فضل منزل میں مقیم تھا کہ استاذی المکرم حضرت مولوی فضل الدین صاحب مرحومؓ امیر جماعت احمدیہ کھاریاں ضلع گجرات میرے پاس قیام فرما ہوئے۔ مولوی صاحب جناب میر صاحبؓ کے ابتدائی ایام کے استاد تھے۔ لہذا جتنا عرصہ مولوی صاحب میرے پاس تشریف فرما رہے حضرت میر صاحبؓ ان کے قیام و طعام کا بہت خیال رکھتے رہے۔ ان کے لئے دونوں وقت اپنی نگرانی میں تازہ کھانا بھیجتے۔ فضل منزل سے بار بار پتہ لیتے کہ کیا اور کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔

ایک دن میں نے مولوی صاحبؓ سے عرض کی کہ میر صاحب کو آپ کا بہت احساس ہے۔ فرمایا یہ ہمارے شاگردِ رشید ہیں۔ جب تک مولوی صاحب میرے پاس قیام پذیر رہے۔ حضرت میر صاحب بذاتِ خود پورا پورا خیال رکھتے رہے اور عملی نمونہ سے بتا دیا کہ اساتذہ کا احترام اس طور پر کرنا چاہیئے۔

(۲) تربیت کا طریق

میں نے ایک دفعہ مسجد سے باہر نکلتے ہوئے جوتی دائیں ہاتھ سے اُٹھائی۔ حضرت میر صاحب مرحومؓ نے جوتی میرے دائیں ہاتھ سے لے کر بائیں ہاتھ میں دے دی۔ فرمایا جوتی بائیں ہاتھ سے اُٹھانی چاہیئے۔

خاکسار حکیم ایم عبداللہ سبز منڈی
کنارہ دریا جہلم شہر۔

آئینہ جذبات

(از محترم جناب ماسٹر عبد الرحمٰن صاحب خاکی بی۔ اے۔ راولپنڈی۔)

چوں دریں بزمِ جہاں بر رخ نقاب انداختی — عالمِ عشاق را در اضطراب انداختی
اے فدائے روئے تابانِ تو جانِ عاشقاں — مالکی و طوقِ عشقت در رقاب انداختی
والّذین جاھدوا فینا گرفتہ وصلِ دوست — کاسۂ نامحرماں را چوں حباب انداختی
سالکاں رفتند بر ساحل ازیں طوفانِ دہر — کشتیٔ اشرار در موجِ سراب انداختی
منعماں بہرہ زتابوتِ سکینت یافتند — سینۂ مغضوب را در التہاب انداختی
از جمالِ بے مثالِ خویش و حسنِ لازوال — حیرتے اندر قلوبِ شیخ و شاب انداختی
راہ بے منّت نمودی سوئے انوارِ ہُدے — نیکوئی کردی و بازآں را در آب انداختی
ایں کلامِ تو دلیلِ حسنِ بے پایانِ تست — جملہ رازِ عشق در اُمّ الکتاب انداختی
بہرِ اعراض و برائے اعتراضِ ناکساں — حجتِ قائم دریں فصل الخطاب انداختی
ایں کہ علم و معرفت کردی بیاں اندر کتاب — کوثرِ تازہ لبن در شہدِ ناب انداختی
یا برائے تقویتِ بہرِ قلوبِ مومنیں — مشکِ روحانی دریں لعلِ مذاب انداختی
از جبینِ تو عرق بر عارضِ گلگوں فتاد — بادۂ حسنِ خودت را در گلاب انداختی
از نسیمِ طرۂ گیسوئے عنبر بارِ تو — خاطرِ عشاق را در پیچ و تاب انداختی
پردۂ عصیانِ ما گر دید حائل ورنہ تو — در حریمِ قدس خود را بے حجاب انداختی
در شہادت گاہِ الفت خرمنِ جاں را بسوخت — شعلۂ عشقے درایں بو تراب انداختی
از دعاہائے مسیحا بارشِ فوز العظیم — در سحابِ فضل و رحمت بے حساب انداختی
بہرِ تائیدِ مسیحِ پاک اے ربِّ قدیر — سایۂ بر ماہتاب و آفتاب انداختی
لطف کردی بہرِ تجدیدِ ضیائے سرمدی — پرتوِ مہرِ عرب بر ماہتاب انداختی
از ظہورِ آدمِ ثانی زمیں معمور گشت — جلوۂ لاہوت بر دیرِ خراب انداختی

من کجا و بزمِ مہدی ات کجا از لطفِ خویش
خاکیٔ خود را درآں عالی جناب انداختی

حضرت میر محمد اسحاق صاحب رضی اللہ عنہ کی زندگی کا بہترین تجربہ

(از جناب شیخ مبارک احمد صاحب رئیس التبلیغ مشرقی افریقہ)

محترمی مخدومی مولانا ابو العطاء صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اخبار الفضل کے تازہ پرچوں میں یہ اعلان پڑھ کر خوشی ہوئی کہ آپ حضرت استاذی المحترم سید محمد اسحاق صاحب کے حالاتِ زندگی پر رسالہ الفرقان کا خاص نمبر شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب توفیق عطا فرمائے۔

استاذی المحترم کے متعلق بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ وہ بہترین استاد تھے، وہ بہترین مربی تھے، وہ بہترین منتظم تھے، وہ بہترین مہمان نواز تھے، وہ بہترین دوست تھے۔ غریبوں، یتیموں اور مسکینوں کی پناہ گاہ تھے۔ محتاجوں، بیواؤں اور بے کسوں کے درد خواہ اور ہمدرد تھے۔ ان کی سفارش سے اگر کسی کا کوئی کام بن سکتا تو اس سفارش سے انہیں ہرگز دریغ نہ تھا۔ وہ سچ مچ اس بات پر یقین رکھتے تھے اشفعوا تؤجروا حدیث اور کلامِ نبوی ان کا ہرا بھرا خوشبو سے بھرپور باغ تھا۔ اور جب حدیث کا درس دیتے یا پڑھاتے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی مقولہ کی حکمت اور فلسفہ بیان کرتے تو ایسا سماں باندھتے گویا خود بھی اور سننے والے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت مجلس میں جا پہنچے ہیں۔ اور یقین و ایمان کی حلاوت سے ایک نئی کیفیت اور نئی زندگی حاصل کر کے اٹھتے ہیں۔

آپ بڑے ہی متوکل تھے۔ بہت کم گزارہ صدر انجمن سے آپ کو ملتا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ آپ کی ضروریات کو اپنے فضل سے پورا کر دیتا۔ آپ کے سارے وقت خدمتِ دین و سلسلہ کے لئے وقف تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمودہ اس نسخہ کو یقینِ کامل سے اپنی حاجت براری کے لئے اکسیر نسخہ سمجھتے تھے۔ من کان فی عون اخیہ کان اللہ فی عونہ۔ کہ جو اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے۔ اس نسخہ کے استعمال سے آپ کبھی نہ چوکتے۔ جب دیکھو اور جس وقت دیکھو خدمتِ خلق اور خدمتِ دین اور خدمتِ علم میں آپ مصروف ہوتے۔ اور اس طریق سے اپنے سب کام خدا تعالیٰ کے سپرد کر رکھے تھے۔ خدا تعالیٰ جیسا مہربان قدردان آپ کے خدمتِ خلق کے ان بے نظیر اور کثیر کاموں کو دیکھ کر خوش تھا اور آپ کی تمام حاجات کو نہ صرف آپ کی زندگی میں پورا کرتا رہا بلکہ آپ کی وفات کے بعد آپ کے اہل و عیال کی ضروریات اور ان کی کفالت کا خدا تعالیٰ نے

نے بہترین انتظام کیا اور خود خلیفہ وقت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص مصلحتوں سے ان کا کفیل بنا دیا۔ والحمد للہ۔

بہت ہیں جو خدمتِ دین کے لئے اپنے سارے اوقات کو وقف کرنے سے گھبراتے ہیں۔ کبھی عیالداری، کبھی فاقہ، کبھی تکالیف ان کے سامنے آ کر انہیں ڈراتی ہیں کہ خدمتِ خلق اور خدمتِ دین کے لئے اپنے سارے اوقات وقف کرنے لگے ہو، ان بچوں کا، بچیوں کا کیا بنے گا۔ تمہاری دیگر ضروریات کو کون دیکھے گا اور کیسے پوری ہوں گی۔ لیکن اس متوکل علی اللہ انسان کی عجیب شان تھی کہ سارے کام خواہ وہ جماعت کی تنظیم کے ہوں یا مدرسہ اور جامعہ میں تعلیم کے ہوں، درس و تدریس کے ہوں یا تبلیغ و اشاعتِ دین کے ہوں، پوری محویت سچی دلچسپی اور بغیر کسی لالچ کے بروقت پوری تندہی سے انجام پاتے تھے اور کان اللہ فی عونہ کا فرمان ہر وقت آپ کے سامنے رہتا۔ ۱۹۳۹ء میں جب خاکسار مشرقی افریقہ سے قادیان میں چھ ماہ کی رخصت گزار کر واپس افریقہ جانے لگا تو میری خواہش پر آپ نے میری ایک کاپی پر اپنے قلم سے یہ قیمتی نسخہ لکھا جس پر خود ساری عمر عمل کیا اور اس سے فائدہ اٹھایا۔ اور اسی مجرب و اکسیر نسخہ کے استعمال کے لئے اپنے شاگردوں کو بھی توجہ دلائی۔ آپ نے حسب ذیل الفاظ میں خاکسار کو توجہ دلائی:-

"بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی

ما کان العبد فی عون اخیہ کان اللہ فی عونہ کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر کوئی شخص ہر وقت لوگوں کی دینی اور دنیوی بھلائیوں میں لگا رہے تو یقیناً اس کے دینی اور دنیوی کام خود بخود ہوتے رہیں گے۔ میں نے اس نسخہ کو اچھی طرح تجربہ کر کے دیکھا ہے کہ جب میں مشکلات دینی اور دنیوی میں ہوتا اور میں اپنے اوقات کو مخلوقِ خدا کے فائدہ کے لئے خرچ کرتا تو خود بخود غیب سے ایسے سامان پیدا ہو جاتے کہ بغیر لوگوں سے مدد مانگنے کے مجھے تمام ضروری سامان مل جاتے اور میری مشکلات حل ہو جاتیں اور ایسی ایسی جگہوں سے خدا میرے کام کروا دیتا کہ میرے وہم و گمان میں بھی نہ ہوتا۔ اور یہی مفہوم ہے واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض کا۔ پس جو شخص چاہتا ہے کہ اس کے کام خود بخود ہوتے جاویں وہ لوگوں کی مشکلات کے حل میں لگ جاوے۔ اللہ خود بخود اس کا متکفل ہو جائیگا۔ مگر شرط یہ ہے کہ اپنے آپ کو پورے وقت کے لئے مخلوقِ خدا کی بہتری کے لئے وقف کر دے۔

والسلام سید محمد اسحاق ۲-۶-۳۹"

حضرت استاذی المحسن کی یہ ہدایت صرف زبانی جمع خرچ تک ہی محدود نہ تھی اور نہ محض واعظانہ رنگ تک بلکہ آپ کی ساری زندگی کا جو مخلوقِ خدا کی بہتری کے لئے آپ نے گزاری اور خدا تعالیٰ کی

جس جس طرح سے نصرت و تائید و برکتوں کا مشاہدہ کیا اس کی صحیح تشکیل بھی اور اپنے تجربہ شدہ نسخہ سے اطلاع بھی۔ بسا اوقات جب پریشانی اور کوئی مشکل لاحق ہوتی ہے اس وقت زیادہ مستعدی سے خدمتِ خلق اور جماعتی کاموں کو انجام دینے کی جب بھی سعی کی ہے فوراً غیب سے اللہ تعالیٰ کی مدد اور مہربانی اور کرم فرمائی کا خاص مظاہرہ دیکھا ہے و للہ الحمد۔

آپ کا تعلیم کا طریق بہت ہی مفید اور باعث کشش تھا اور بالخصوص آپ نے اپنے شاگردوں کی عملی ٹریننگ کے لئے جو جد و جہد سکول اور کالج کے کمروں کے اوقات کے علاوہ دیگر اوقات میں کی وہ آپ اور اُس وقت کے اساتذہ کرام کا نمایاں وصف تھا۔ وہ چند گھنٹوں اور چند مرلوں کے ملازم نہ تھے وہ خدا اور خدا کی مخلوق کے وفادار اور بے لوث خدمت گزار تھے اور اس وجہ سے اپنے شاگردوں کو تعلیم دینے میں کسی وقت بھی نہ اکتاتے تھے۔ اُن کے گھروں میں بھی طالب علم کم استفادہ کرتے تھے۔ ان کے دفتروں میں بھی علمی استفادہ ہوتا تھا۔ سیر کے اوقات میں بھی تعلیم و تعلّم کا سلسلہ جاری تھا۔

حضرت میر صاحبؓ کی زندگی کے متعلق تو مَیں بہت کچھ لکھ سکتا ہوں لیکن اس وقت حصولِ ثواب کی خاطر مَیں نے مختصر طور پر چند باتیں لکھی ہیں تا مَیں اپنے مہربان استاد کو خراجِ تحسین اور عقیدت مندانہ شکرانہ ادا کرنے سے محروم نہ ہو جاؤں۔ اللہ تعالیٰ ان کے فیوض کو جاری رکھے اور ان کے درجات کو اپنے دربار میں بلند سے بلند تر کرتا چلا جائے کہ اس بادشاہ حقیقی سے بڑھ کر کوئی قدردان نہیں ؛

حضرت میر محمدؐ اسحاق صاحبؓ کی بابرکت شادی

جناب ایڈیٹر صاحب اخبار بدر نے لکھا کہ "آج عید کا دن دو خوشیوں کا دن ہے۔ ایک عید کی خوشی اور دوسرے ہمارے دو پیاروں کے درمیان مبارک تعلق کی خوشی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آج رات رؤیا میں دیکھا تھا کہ میاں محمد اسحاق پسر حضرت میر ناصر نواب صاحب اور صالحہ بی بنت صاحبزادہ منظور محمد کے باہمی تعلق نکاح کی طیاری ہو رہی ہے۔ سو آج ہی یہ رؤیا پورا ہوا۔ حضرت مولوی نور الدین صاحب نے ایک خاص جوش کے ساتھ بعد جمع نماز ظہر و عصر مسجد اقصیٰ میں جہاں خود حضرت امام بھی رونق افروز تھے خطبہ نکاح پڑھا اور حاضرین پر خدا تعالیٰ کے فضل خاص کا ذکر کیا۔ ہم سچے دل کے ساتھ دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس تعلق کو دولہا دلہن کے واسطے ان کے معزز والدین کے واسطے تمام خویش و اقارب کے واسطے دوستوں عزیزوں کے واسطے موجب برکت اور رحمت کا کرے۔ ہم دلی جوش کے ساتھ مبارکباد کہتے ہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں اور مبارکباد کہتے ہیں میر صاحب کی خدمت میں اور مبارکباد کہتے ہیں حضرت ام المومنین کی خدمت میں اور مبارکباد کہتے ہیں والدہ محمد اسحاق کی خدمت میں اور اپنے پیارے بھائی ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب کی خدمت میں اور پیر جی منظور محمد صاحب کی خدمت میں۔ و اٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔ آمین" ؛ (اخبار بدر ۵ فروری ۱۹۰۶ء)

حضرت میر صاحبؓ کی علمی و عملی زندگی

(از قلم حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل)

سنہ ۱۹۰۱ء کی بات ہے میں نے ایک شوخ و شنگ، خوشرو اور خوش خو لڑکے کو جو سرخ رنگ کی اور سیاہ الپاکے کا کوٹ زیب تن کر رکھتا تھا، حضرت علامہ مولانا نور الدین صاحبؓ کے مطب میں بعض طلباء کے ساتھ طب کے علمی و عملی اسباق میں دلچسپی لیتے دیکھا۔ تھوڑے دنوں میں (میں تو جھجکتا ہی رہا تھا) وہ مجھ سے متعارف ہو گئے اور دفتر بدر میں میرے پاس آنے جانے لگے۔ میرے والد ماجد نے حضرت حکیم الامۃ کو لکھا تھا کہ ظہور میاں کی تعلیم و تربیت کا خیال رکھیں۔ حدیث کی کمی ہے۔ چنانچہ حضرت مولوی صاحبؓ جب مطب میں بارہ بجے کے قریب تشریف لاتے تو مریضوں کو نسخے وغیرہ دینے کے بعد درس الحدیث شروع فرماتے اور مجھے کسی کو بھیج کر بلوا لیتے۔ ان دنوں تجرید البخاری کے مصری نسخے بہت سے منگوا رکھے تھے ایک جلد مجھے بھی مل گئی اور میں جو کچھ سن کر سمجھتا اس کے نوٹ اسی پر لکھ لیتا۔ طریق یہ تھا کہ عموماً میر محمد اسحاق صاحب حدیث پڑھتے اور حضرت مولانا اس پر ایک مختصر تقریر فرما دیتے۔ میں اعراب اور مشکل الفاظ کے معانی جاننا چاہتا مگر اس کے لئے بہت کم موقعہ ملتا تھا۔ مثنوی مولانا روم حضرت محمود ایدہ اللہ بنصرہ کو پڑھانے کا بھی یہی طریق تھا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے حضرت حکیم الامۃ نے کوئی جملہ بولا اور میر صاحبؓ غائب ہو گئے اور تھوڑی دیر بعد ایک مصفا گلاس میں پانی لائے جو مولوی صاحب نے پیا اور فرمایا دیکھو جو میرا مطلب تھا اسے ایک لڑکا سمجھ گیا۔ باقی دوسرے سن رسیدہ لکھے پڑھے حدیث النبی کے جاننے والے نہ سمجھے۔ مولوی صاحب نے میر صاحب کو ہدایت کی کہ مولوی فاضل کا امتحان یونیورسٹی میں دیں منطق کی کتاب قاضی اکمل سے استفادہ کریں۔ مجھ سے جب ذکر فرمایا تو میں نے بینے و الدصاحب کے لکھائے ہوئے چند نوٹ دیئے جن میں اصطلاحی الفاظ کی تشریح اور اجمالی توضیح تھی اور مولانا نذیر احمد صاحب دہلوی کی منطق کی کتاب پڑھنے کے لئے کہا۔ میر صاحب نے سرسری چند دنوں میں نوٹوں کو دیکھ لیا اور اصل نصابی کتاب کی طرف بہت کم توجہ دی۔ امتحان دیا تو کامیاب ہو گئے۔ میں نے کہا میر صاحب منطق کا پرچہ کس طرح حل کیا۔ کہنے لگے میں نے اپنے فہم سے کام لے کر مختلف اقوال لکھے اور پھر خود ہی ان میں ترجیحی فیصلہ لکھ دیا اور بعض اصطلاحیں تو آپ سے ذہن میں موجود تھیں۔

میں ایک مضمون پڑھ رہا تھا جس میں بدھ مذہب کی بڑائی کسی جج نے ثابت کی تھی میں نے کہا اسلام کے مقابل

اس کے دلائل رکھ کر ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ اسلام ہی کو اکرام فی المذاہب حاصل ہے۔ جاتے ہوئے وہ اخبار یا رسالہ مجھ سے چھین کر لے گئے اور دوسرے تیسرے دن ایک مضمون لکھ لائے جس میں اسلامی تعلیم کی برتری بمقابلہ بدھ مذہب ثابت کی گئی۔ میں پڑھ کر حیران رہ گیا کہ یہ عمر اور یہ تحریر۔ کاتب کے حوالے کر دیا اور اسے رسالہ کی صورت میں چھپوا دیا (اسلام اور بدھ مذہب) آپ نے کسر صلیب پر بھی چند رسائل بعد میں لکھے جن میں بڑے زبردست دلائل دیئے ہیں۔

حدوث مادہ و رُوح پر ایک تفصیلی ضخیم کتاب شائع کی جس میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ازلیت پہلے ہے اور مادہ و روح خواہ کتنا قدیم ہو بعد میں۔ یہ بہت نازک اور مشکل مسئلہ تھا کیونکہ صفات بھی ازلی ذات بھی ازلی۔ صفات کے مظاہر بھی ابتداء سے ہونے چاہئیں۔ اس بارے میں پنڈت سیتا نند سے ایک گفتگو بھی میری اور حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری کی موجودگی میں ہوئی۔ ہم اسے ملنے گئے۔ میر صاحبؓ نے جو ابھی سبزہ آغاز نوجوان تھے اسے کئی بار خاموش کرا دیا۔

ایک مشہور سناتنی مناظر کے ساتھ حضرت میر قاسم علی صاحبؓ کی قیادت میں مباحثہ ہوا۔ بت پرستی پر پنڈت صاحب نے ہندی سنسکرت میں تقریر کی۔ سب دم بخود رہے۔ میر صاحبؓ کھڑے ہو گئے اور عربی میں تقریر شروع کر دی۔ پنڈت نے کہا مولوی صاحب! لوگ کچھ نہ سمجھے۔ میر صاحبؓ نے کہا علیٰ ہذا القیاس آپ نے جو کچھ کہا کون سمجھا؟ آخر اس پر اتفاق ہو گیا کہ آسان زبان میں گفتگو ہو۔

اہلحدیث میں مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری عموماً یہ لکھا کرتے کہ آپ لوگوں میں اگر کوئی لکھا پڑھا ہے (یعنی علم الحدیث) تو میر اسحٰق ہیں۔ میر صاحبؓ ایک بار ریل کے ایسے ڈبے میں سوار ہوئے جس میں مولوی ثناء اللہ صاحب اور میر محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی جنہیں اپنے علم کا بڑا ادعا تھا بیٹھے تھے۔ حضرت میر صاحبؓ نے ان سے بعض احادیث کے معانی اور باہم اختلافی صورت میں طریق تطبیق اور کلام اللہ سے توفیق پوچھی تو یہ دونوں بالکل چُپ رہ گئے۔

میر صاحبؓ عالم فاضل ہونے کے ساتھ انتظامی بارہ میں بھی درجہ کمال رکھتے تھے۔ چنانچہ جب مدرسہ احمدیہ کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے تو آپ نے بہت سی اصلاحات فرمائیں۔ کئی کمرے بنوائے، طلباء کے وظائف وکوائف رغائف کا بڑا خیال رکھتے۔ ان کو خاص طریق سے لے جا کر باعزاز کھانا کھلاتے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات پر عمل سکھاتے۔

مہمان خانہ کو بھی مصفا بنا دیا۔ بیماروں اور بوڑھوں کا الگ انتظام اور اکرام تھا۔ سامان لنگر برتن، دیگیں، بستر احباب میں تحریک کر کے وافر مہیا کیا اور ایسے مؤثر طریق سے لکھتے کہ اس کے جواب میں زیادہ سے زیادہ ہماری امیدوں سے بڑھ کر کامیابی ہوتی۔ ساٹھ ستر تو دیگیں ہی جمع ہو گئی تھیں۔

ہمارے شفیق اُستاد

(از جناب مولوی غلام باری صاحب سیف پروفیسر جامعہ احمدیہ)

مجھے حضرت میر صاحبؓ سے جو تلمذ کا موقعہ ملا اس بنا پر میں کہہ سکتا ہوں کہ حضرت میر صاحبؓ کی زندگی کا سب سے روشن پہلو ان کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام زبان پر آتا تو حضرت میر صاحبؓ کی آواز گلوگیر ہو جاتی اور حدیث اور حدیث کے بیان کے وقت آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی میں نے اپنی گنہگار آنکھوں سے خود دیکھی ہے۔ حدیث سے حضرت میر صاحبؓ کو اتنا عشق تھا کہ ایک بار جب آپ بیمار ہو گئے اور ناک کے راستہ دماغ سے پانی کی طرح قطرات گرتے تھے۔ ڈاکٹری ہدایات کے ماتحت آپ سیدھے لیٹے رہتے اور آپ کو مطالعہ سے ڈاکٹر صاحب نے بالکل منع کر دیا تھا۔ آپ نے اپنی بیماری سے شفایاب ہونے پر فرمایا کہ میں حدیث کو اپنے سرہانے رکھتا تھا ڈاکٹر صاحب آتے تو چھپا لیتا اور ڈاکٹر صاحب تشریف لے جاتے تو پڑھتا رہتا۔ فرمایا کرتے مجھے حدیث میرا گلستان ہے جب طبیعت کسی وجہ سے بھی اُداس ہو میں حدیث کھول کر مطالعہ میں لگ جاتا ہوں کہ اس چمن کی گلگشت سے میری کلفت دُور ہو جاتی ہے۔

آپ کے ساتھ کام کرنے والے ایک قاضی مکرم ومحترم مولوی تاج الدین صاحب ناظم قضاء نے فرمایا۔ مرافعہ اولیٰ میں حضرت میر صاحبؓ کے ساتھ میں کئی دفعہ شریک ہوا۔ سماعت کے وقت فرماتے دعویٰ پڑھ دیں، جواب دعویٰ پڑھ دیں فیصلہ قاضی صاحب اوّل پڑھ دیں اور اس کے بعد آپ کی ذہانت کی وجہ سے یوں ہوتا جیسے مسل کے تمام مندرجات اور مقدمہ کی تمام باریکیوں پر آپ کی نظر حاوی ہے۔

آپ کی طلباء سے شفقت کا اندازہ بھی ایک واقعہ سے کیجئے۔ آپ انگریزی بالوں کے سخت خلاف تھے۔ حجام کو بُلا کر طلباء کے ایسے بال اُتروا دیتے۔ ایک موقعہ پر آپ نے چند طلباء کے بال اُتروا لئے۔ سردی کا موسم تھا طلباء کو جو انتقام کی سوجھی تو انہوں نے صبح کی نماز میں اوپر لحاف لے لئے اور مسجد اقصیٰ میں محراب کے پیچھے قطار میں جا کر بیٹھ گئے اور سروں سے ٹوپیاں اُتار کر چٹائی پر رکھ دیں۔ اب محراب کے پیچھے اوپر لحاف اور "ٹنڈ وں" کی قطار عجیب سماں تھا۔ حضرت میر صاحبؓ نے جو یہ نظارہ دیکھا تو آ کر حکم دیدیا کہ کوئی طالب علم آئندہ صبح کی نماز میں کپڑا اوپر نہ لیا کرے۔ اب ہر طالب علم کے پاس کوٹ نہ تھا۔ طلباء بہت زچ ہوئے۔ ایک دن حضرت میر صاحبؓ دارالاقامہ میں حسب معمول جمعرات کی شام کو اجلاس کروا رہے تھے کہ آپ نے فرمایا۔ عزیز بچو! تمہیں اگر کوئی تکلیف ہو تو مجھے بے تکلف باپ

کی طرح بتا دیا کرو۔ ایک مالاباری لڑکے نے اُٹھ کر کہا حضرت میر صاحب! یہ جو حکم ہے کہ صبح کی نمازیں اُوپر کپڑا اوڑھ کر ادا کیا کریں اس سے بہت تکلیف ہے۔ فرمایا دیکھو انگریز کتنا مستعد ہے وہ کبھی اِس طرح باہر نکلتے ہوئے چادریں اور کمبل اوڑھتا ہے؟ وہ طالب علم کہنے لگا میر صاحب انگریز کوئی صبح کی نماز پڑھنے جاتا ہے؟ چنانچہ حضرت میر صاحبؓ نے کئی طلباء کو روئی دار واسکٹیں بنوا دیں اور طلباء کی مشکل کو حل کر دیا۔

آپ کی وفات پر صدر انجمن احمدیہ کے ایک ممبر نے تعزیتی جلسہ میں یہ الفاظ کہے تھے کہ جب میر صاحب اجلاس میں تشریف فرما ہوتے ہمیں پورا اطمینان ہوتا تھا کہ اب کوئی فیصلہ غلط نہیں ہوگا۔ کتنا شاندار تبصرہ تھا آپ کی قوتِ فیصلہ کے متعلق۔

اِس سے اچھی سند آپ کی ذہانت کی کیا ہوگی کہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ جیسے عالم و عاشقِ قرآن فرماتے ہیں کہ مَیں معترض کو دو منٹ میں خاموش کر سکتا ہوں لیکن جب میر صاحب مجلس میں ہوں تو مَیں بہت محتاط ہو جاتا ہوں۔

آپ نماز کے بعد تینتیس تینتیس بار اللہ اکبر، الحمد للہ، سبحان اللہ پڑھنے کی سخت تاکید فرماتے تھے۔ ایک دن فرض نماز کے بعد مَیں نے سُنتیں ادا کرنی تھیں مَیں سُنتیں ادا کرنے کے لئے جو کھڑا ہوا تو آپ نے آواز دی۔ غلام باری! تم نے تسبیحات کر لیں؟ مَیں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا پہلے بیٹھ کر تسبیحات کرو۔ اور یہ عادت حضرت میر صاحبؓ کی تربیت کے نتیجہ میں اب ایسی راسخ ہوئی ہے کہ شاید ہی اس میں کبھی ناغہ ہُوا ہو۔

حضرت میر صاحبؓ یقیناً زندہ ہیں اپنے کارناموں کی وجہ سے، آپ زندہ جاوید ہیں اُن یادوں سے جو آپ کے شاگردوں کے قلوب میں ہے، اُن باقیاتِ صالحات کی وجہ سے جو اُن سے استفادہ کرنے والے بجا لا رہے ہیں۔

حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کی نمازِ جنازہ

"نمازِ جنازہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے باغ میں اسی جگہ پڑھائی جہاں چند ہی روز قبل حضرت سیّدہ اُمّ طاہر احمد صاحبہ رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ پڑھائی تھی اور جہاں ابھی سفیدی کے وہ خطوط موجود تھے جو خود حضرت میر صاحب رضی اللہ عنہ نے ہی سیدھی صفیں باندھنے کے لئے لگوائے تھے۔"

(الفضل ۲۱ر مارچ ۱۹۴۴ء)

حضرت میر صاحبؓ کے متعلق چند واقعات

(از عزیزم مولوی عطاء الرحمٰن صاحب طاہر مولوی فاضل۔ کراچی)

شروع شروع میں جب آپ مدرسہ احمدیہ کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے تو آپ ترکی ٹوپی پہنتے تھے۔ پھر کچھ عرصہ بعد آپ نے "لنگی" پہننا شروع کر دی تھی جو آپ کے ازدیادِ رعب کا باعث تھی۔ آپ نے شروع زمانہ ہیڈ ماسٹری میں نظام کے قیام اور تادیب کی خاطر کافی سختی سے کام لیا مگر اس سختی میں بھی باپ کی محبت شامل ہوتی تھی۔ ایک دن ہماری ساری جماعت کو ایک قصور کی وجہ سے سزا دی مگر دوسرے دن صبح ہی حضرت میر صاحبؓ نے مانیٹر کو اور دو تین طالب علموں کو بلوایا اور اپنے پاس سے روپے دیکر منڈی بھجوایا کہ وہاں سے خربوزے خرید کر لائیں۔ آپ نے طلبہ میں گزشتہ روز کی سزا کے تناسب سے خربوزے تقسیم کئے اور فرمایا کہ کل کے سزا دینے کا مجھ پر بار تھا مگر شاگرد استاد کے لئے بچوں کی مانند ہوتے ہیں۔ سزا گو اصلاح کے لئے دی جاتی ہے مگر اس کی تکلیف استاد کو ضرور ہوتی ہے اس لئے میں نے سوچا کہ آج تمہیں خوش بھی کر دوں اور اپنے دل کا بوجھ بھی ہلکا کر لوں۔

گرمیوں کے ایام میں آپ مدرسہ احمدیہ کے طلبہ کو قادیان سے دو تین میل کے فاصلہ پر نہر پر "ٹوب" منانے کے لئے لیجایا کرتے تھے اور وہاں باقاعدگی سے نمازوں کا التزام فرمایا کرتے تھے اور نماز کے بعد تمام طلبہ کو بٹھا کر سب باری باری احادیث، اشعار حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور لطائف سنا کرتے نیز عملی طور پر نظم و نسق کی تربیت دیا کرتے تھے۔

گرمیوں کے ایام میں مدرسہ احمدیہ میں پینے کے پانی کے گھڑے بھر کر صحن میں کھلے آسمان کے نیچے رکھ دیئے جاتے تھے اور صبح دھوپ تیز ہونے سے پہلے اٹھا کر کمرے میں رکھ دیئے جاتے تھے۔ حضرت میر صاحبؓ نے گھڑوں کو اٹھانے کیلئے ہماری کلاس کی ڈیوٹی لگائی۔ قریباً تین چار روز سے لگاتار یہ کام ہم سرانجام دے رہے تھے۔ تیسرے یا چوتھے روز اتفاقاً ایک گھڑا مرزا وسیم احمد صاحب (جو ہمارے کلاس فیلو تھے) کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا۔ جب حضرت میر صاحبؓ کلاس میں آئے تو کہنے لگے کہ حضرت خلیفہ اولؓ کے ہاں ایک نوکرانی تھی جب وہ کام سے ذرا فراغت پاتی تو اسے کنوئیں پر پانی لینے بھجوا دیا جاتا تھا اس پر اس نے سوچا کہ اس کام سے نجات پانی چاہیئے اس نے گھڑا توڑ دیا تو حضرت خلیفہ اولؓ نے اسے پانی لانے کے کام پر دوبارہ نہ بھیجا فرمانے لگے کہ بھئی میں نے تو کل تمہاری کلاس کی ڈیوٹی تبدیل کر دینی تھی بلا وجہ گھڑا ضائع کیا۔

۱۹۴۳ء میں صدیق رسول کا عاشق اور ہمارا محسن و شفیق استاد اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گیا۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ حضرت میر صاحبؓ کے درجات بلند کرے۔ آمین ثم آمین ÷

حضرت میر محمد اسحاق رضی اللہ عنہ کا ورودِ پشاور

(از حضرت قاضی محمد یوسف صاحب قاضی خیل۔ مردان)

حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ دو دفعہ شہر پشاور تشریف لائے تھے۔ بار اوّل مئی سنہ ۱۹۰۶ء میں جبکہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کا نصفانہ حضرت مولانا غلام حسن صاحب رضی اللہ عنہ کے ہاں سے ہوا۔ اس وفد میں حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ، حضرت مرزا بشیر احمدؓ، حضرت میر ناصر نوابؓ، حضرت مولوی محمد سرور شاہ اور حضرت میر محمد اسحاق صاحبان شامل تھے۔ تین دن پشاور شہر میں قیام رہا۔ تیسرے دن پشاور سے قادیان روانہ ہوئے۔ خاکسار بھی اس وفد کے ہمراہ قادیان گیا تھا۔ بار دوم پشاور شہر میں بعد خلافت حضرت خلیفۃ المسیح ثانی اپریل سنہ ۱۹۱۴ء میں بطور وفد تشریف لائے تا کہ غیر مبایعین پشاور کو خلافتِ ثانیہ سے وابستہ کریں۔ اس دفعہ حضرت میر محمد اسحاقؓ رئیسِ وفد تھے اور ان کے رفقاء میں محترم مولوی فضل دین صاحب نونیؓ اور حضرت بھائی عبدالرحیمؓ تھے۔ اس دفعہ قیام پشاور صدر میں حضرت شیخ مشتاق حسینؓ اور محترم خانبہادر شیخ رحمت اللہ مرحوم کے ہاں احاطہ رحمت اللہ اینڈ سنز میں تھا اور وہاں سے حضرت مولانا غلام حسن کے مکان پر بغرض گفتگو تشریف لاتے رہے۔ غیر مبایعین پشاور کی طرف سے خاکسار بطور نمائندہ سوال و جواب کرتا رہا۔

ایک دن صدر پشاور میں خان بہادر شیخ رحمت اللہ صاحب کے مکان پر بالمقابل تقریریں ہوئیں۔ بعد اختتام گفتگو حضرت بھائی عبدالرحیم صاحبؓ مجھے ہاتھ سے پکڑ کر ایک طرف لے گئے اور پنجابی میں کہنے لگے:-

"نیک بختا تے نے تاں آخر من لینا ہے مگر پشاوریاں دا بیڑہ غرق کیتا اے۔"

یعنی آپ نے تو آخر خلافتِ ثانیہ کی بیعت کر لینی ہے مگر پشاور کے غیر مبایعین آپ نے غرق کر دیئے۔ میں مسکرا کر ان کے منہ کی طرف دیکھتا رہا کہ یہ کیا فرماتے ہیں مگر ہوا وہی جو حضرت بھائی جی نے فرمایا تھا۔

اس وفد کے بعد دوسرا وفد حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ کا آیا تیسرا وفد حضرت سید محمد سرور شاہ صاحبؓ کا آیا تھا۔

خاکسار کے دل میں ستمبر سنہ ۱۹۱۴ء میں محترم خان بہادر میاں وسیع الدین صاحب سپرنٹنڈنٹ محکمہ ارکیالوجی کے اس سوال پر کہ جماعت احمدیہ میں اختلاف ہو گیا ہے آپ کس جماعت سے تعلق رکھتے ہیں؟ نفرت پیدا ہوئی کہ کہوں کہ میں بھی باغی فریق میں ہوں۔ میں نے اختلاف میں حصہ لینے سے توبہ کی اور لاہور اور قادیان دونوں طرف چندہ دیتا رہا۔ بالآخر مجھے شرح صدر ہوا۔ قادیان جا کر ۳۰ ر دسمبر سنہ ۱۹۱۴ء کو حضرت خلیفۃ المسیح ثانی سے مسجد مبارک کی مولوی محمد علی والی دفتر کی کوٹھڑی میں تجدید بیعتِ خلافت کی۔

حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کو خاکسار سے بچپن کے زمانہ سے محبت تھی۔ جب کبھی میں قادیان جاتا میرا

خاص خیال رکھتے۔ بوقتِ فرصت میرے کمرہ میں بغرض ملاقات و گفتگو دیر تک تشریف رکھتے۔

جون ۱۹۳۵ء میں میں قریباً ایک ماہ قادیان میں مقیم رہا جبکہ ایک احراری خاکسار پر پستول سے حملہ آور ہوا تھا۔ خدا تعالیٰ نے زندہ بچا لیا۔ حضرت میر صاحبؓ نے مہمانخانہ میں قیام کا خاص انتظام کرا دیا تھا اور خود روزانہ فرصت کے وقت تشریف لا کر گفتگو کرتے رہتے۔ بطور مہماندار آپ بڑے فیاض اور مہمان نواز تھے۔

آپ کا درسِ قرآن اور درسِ حدیث نہایت موثر تھا۔ اللہ تعالیٰ مغفرت کرے اور اپنا قرب عطا فرمائے۔ آمین ؎

حضرت میر محمد اسحاق صاحب رضی اللہ عنہ کی یاد میں

(حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل)

میر صاحب! آپ کا فضل و کمال — یاد آ آکر بڑھاتا ہے ملال
آپ کی حاضر جوابی یاد ہے — اور مخالف کی خرابی یاد ہے
آپ نے کی خوب ہی کسرِ صلیب — اور تالیفات پھر ذکرِ حبیب
روح و مادہ حادث و مخلوق جان — اور ازل سے کُل صفاتِ حق کو مان
باوجودِ علم و فضلِ باطنی — اِک شگفتہ سی طبیعت پائی تھی
دوستوں کے دوست باغیرت مگر — بے تکلف با ظرافت خوش نظر
شوق تھا علمی مباحث کا بڑا — شہرہ تھا ہر طرح کے تذکار کا
آپ کے علمِ حدیث و دین کا — بارہا قائل ثنا اللہ ہُوا
اپنے شاگردوں کے از بس تھے شفیق — ان کے حال و قال میں رہتے رفیق
ہے خلیفہ حاکمِ صدر انجمن — مسئلے میں پہل کی سترہ علن
احمدیہ مدرسے کا انتظام — اور لنگر خانے کا پھر اہتمام
وہ ترقی دی کہ سب ہیں مانتے — آپ کو فائق ہیں دل سے جانتے
الغرض دیکھیں انہیں جس پہلو سے — مجمعِ خوبئ خوباں پائیں گے

یہ دعا کرتا ہے اکمل مستمند
جنتِ فردوس میں درجے بلند

۵ /۹ /۶۱

حضرت میر صاحبؓ کا حدیثِ نبویؐ سے عشق اور اسکا اثر

(از جناب چوہدری عبدالمنان صاحب فاضل مربی سلسلہ احمدیہ مظفر گڑھ)

استاذی المکرم حضرت میر محمدؐ اسحاق صاحب رضی اللہ عنہ کا یہ دستور تھا کہ طلباء کو نمازِ ظہر کے لئے مدرسہ احمدیہ سے مسجد اقصیٰ تک قطار کی صورت میں لے جاتے تھے۔ جب امام نمازِ ظہر کا سلام پھیرتا تو حضرت میر صاحبؓ تمام طلباء کی نگرانی فرماتے کہ ہر طالبِ علم پہلے ۳۳ دفعہ سبحان اللہ، ۳۳ دفعہ الحمد للہ اور ۳۴ دفعہ اللہ اکبر پڑھے اور پھر سنتیں ادا کرے۔ سنتیں ادا کرنے کے بعد محراب کے قریب حضرت میر صاحبؓ حدیث بخاری شریف کا درس دیا کرتے تھے۔ درس شروع کرنے سے قبل درود شریف (جو نماز میں پڑھا جاتا ہے) مکمل پڑھتے پھر جس حدیث کا درس دینا مقصود ہوتا مکمل پڑھتے پھر ترجمہ کر کے اس کی تشریح فرماتے اور تقریباً روزانہ ہی حدیث کی تشریح کرنے سے قبل اقسامِ حدیث بیان فرماتے کہ ایک حدیث قولی ہوتی ہے جس میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول *فعل کا ذکر ہو مثلاً فلاں موقعہ پر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام کیا۔ ایک حدیث حکمی (تقریری) ہوتی ہے جس میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول یا فعل کا ذکر نہ ہو بلکہ یہ بیان ہو کہ آپؐ کے سامنے (یا آپؐ کے زمانہ میں) یہ کام کیا گیا یا بات کہی گئی تو آپؐ نے منع نہ فرمایا۔ حدیث قدسی کی بھی تعریف بیان فرماتے کہ جس میں قرآن مجید کی وحی کے علاوہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کے کسی قول یا فعل کا ذکر فرمایا ہو۔

درس دیتے وقت اکثر آپ پر رقت کا عالم طاری ہو جاتا تھا اور فرمایا کرتے تھے کہ ہم سب کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہت محبت کرنی چاہیئے۔ صحابہ کی محبت کے بغیر ہمارا ایمان کامل نہیں ہو سکتا کیونکہ صحابہ کرام کو اپنے آقا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے حد عشق اور محبت تھی۔ آپؐ کی خاطر انہوں نے اپنی جان، مال، عزت، اولاد اور جذبات ہر چیز قربان کر دی۔ اور پھر انہیں کے ذریعہ یہ احادیث ہم تک پہنچی ہیں اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان پڑھتے:- "اصحابی کالنجوم بایّھم اقتدیتم اھتدیتم"

ایک حدیث کا آج تک میری طبیعت پر بڑا اثر ہے جو آپ نے ایسے پُر درد اور رقّت آمیز لہجہ میں بیان فرمائی کہ سامعین میں سے کوئی بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ حدیث یہ ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سات شخصوں پر خدا تعالےٰ کا سایہ ہوگا۔ اس دن سوائے خدا تعالےٰ

* [illegible]

کے سایہ کے کسی کا سایہ نہ ہو گا۔ ایک امام عادل۔ دوسرا جو شخص جوانی ہی سے خدا تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو جائے تیسرا وہ شخص ہے جس کا دل مسجد کے ساتھ لٹکا رہے کہ کب اذان کا وقت ہو اور وہ نماز پڑھے۔ چوتھے وہ دو شخص جو محض اللہ تعالیٰ کی خاطر آپس میں محبت کریں۔ پانچویں وہ شخص جس کو ایک خوبصورت عورت بُرے کام کے لئے بلائے مگر وہ یہ کہے کہ میں خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔ چھٹا وہ شخص جو خدا تعالیٰ کی راہ میں اس طرح خرچ کرے کہ اس کا دایاں ہاتھ نہ جانے کہ بائیں نے کیا خرچ کیا ہے۔ ساتواں وہ شخص جو خلوت میں اپنے رب کو پکارتا ہے اور اس کے آنسو بہہ پڑتے ہیں۔ حضرت میر صاحب رضی اللہ عنہ نے ہم بچوں کو نصیحت فرمائی کہ تم ابھی نوجوان ہو تمہارے لئے موقعہ ہے کہ اس حدیث سے فائدہ اٹھاؤ اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا سایہ حاصل کرنے کے لئے جوانی میں ہی عبادت میں مشغول ہو جاؤ اور نمازوں میں ایسی پابندی اختیار کرو کہ تمہارا دل ہر وقت مسجد کے ساتھ ہی لٹکا رہے اور پھر خلوت میں بھی درد دل اور رقت سے دعائیں کیا کرو۔ حضرت میر صاحبؓ نے ایسے پُر اثر انداز میں یہ حدیث بیان فرمائی کہ میں نے اسی وقت یہ عہد کر لیا اور عزم کیا کہ اس حدیث پر ضرور عمل کروں گا، کم از کم وہ پہلو جو مجھے میسر آسکتے ہیں ان کو ترک نہ کروں گا۔ چنانچہ مولیٰ کریم نے تہجد کی توفیق بخشی۔ اللہ تعالیٰ آئندہ بھی توفیق بخشے اللّٰھم آمین ؛

حضرت میر محمد اسحٰق صاحب رضی اللہ عنہ کی تدفین

"صفیں کھڑی ہونے کے بعد تعداد کا اندازہ لگایا گیا تو مردوں کی تعداد ساڑھے چار ہزار معلوم ہوئی۔ نماز جنازہ نہایت رقت اور سوز کے ساتھ پڑھی گئی .... لحد میں رکھنے کے وقت سے مٹی ڈالنے تک حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نہایت رقت سے مسنون دعائیں فرماتے رہے اور دعائیں کرتے ہوئے حضور نے تین مٹھی مٹی ڈالی پھر دوسرے اصحاب کو موقعہ دیا گیا۔ قبر مکمل ہو جانے کے بعد حضور نے تمام مجمع سمیت دُعا فرمائی۔"

(الفضل ۲۱ مارچ ۱۹۴۴ء)

حضرت میر محمد اسحاق رضی اللہ عنہ کی وفات پر ایک تعزیت نامہ

(از قلم حضرت حافظ مختار احمد صاحب مختار شاہجہانپوری)

(یہ خط حضرت میر صاحب رضی اللہ عنہ کے خلف اکبر مکرم سید داؤد احمد صاحب کے نام لکھا گیا تھا)

"اس حادثہ دل خراش و روح فرسا کی خبر مل گئی جس کے اپنی زندگی میں واقع ہونے کا مجھے کبھی وہم بھی نہ گزرا تھا۔ اِنّا لِلّٰہ واِنّا اِلَیہِ راجِعون۔

میاں آپ کے تو والد اور مجموعۂ اوصافِ حمیدہ و محاسنِ پسندیدہ والد ماجد نے وفات پائی ہے۔ ان کا بابرکت سایہ سر سے اُٹھ جانا جتنا بھی موجبِ صدمہ و اندوہ بنے کم ہے لیکن ان کی وفات کا صدمہ اُن کی اولاد اور اُن کے قریبی رشتہ داروں تک ہی محدود نہیں بلکہ دُنیائے احمدیت اِس صدمۂ جانکاہ میں شریک ہے۔ اور اُس میں ایسے افراد بھی تھوڑے نہیں جو یہ خیال کرتے ہوں گے کہ اِس حادثۂ ہولناک کا صدمہ سب سے بڑھ کر انہیں کو ہوا ہے۔

بہت سے بچے اور نوجوان اُن کی وفات سے یتیم اور بہت سی بیوہ خواتین دوبارہ بے والی ہوئی ہیں۔ بہت سی مخلوق کو ایک سچے مُربّی، سچے خیرخواہ اور سچے ہمدرد سے محروم ہونا پڑا ہے۔ بہن بھائی کا بے مثل بھائی، بھانجوں بھتیجوں اور بھانجیوں بھتیجیوں کا بے نظیر ماموں اور چچا اُن سے جُدا ہوا ہے۔ بالآخر یہ کہ سیدنا حضرت امام الزمان سلمہ الرحمٰن کے عظیم المرتبت معتمد سے دنیا خالی ہوئی ہے۔

کیا آپ نے ان سب کی بے چینی اور غم گینی نہیں دیکھی۔ اور کیا آپ نے ہم سب کے آقا و مطاع ایدہ اللہ تعالےٰ کے صدمہ و قلق کا اندازہ نہیں کیا۔ حق یہ ہے کہ اِس سانحۂ عظیم کا سب سے بڑا اثر تو حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ہی کے دلِ حقائق منزل پر ہو سکتا ہے۔

ہر شخص کا صدمہ اس کے تعلق، مفاد اور معرفت کے لحاظ سے ہی ہو سکتا ہے۔ مجھے الفضل کا یہ قول کہ ہم تو حضرت میر صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خوبیوں کو شمار بھی نہیں کر سکتے بہت اچھا اور برمحل معلوم ہوا ہے۔ واقعی ہم ان کی خوبیوں کو شمار نہیں کر سکتے۔ یہ کام بھی ہمارے مولا، ہمارے آقا ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ہی کا ہے۔ اس لحاظ سے بھی حضور ایدہ اللہ تعالیٰ پر اس سانحہ کا اثر ہم سب کے مجموعی اثر سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ اور اس لحاظ سے بھی کہ اسلام و

مسلمین کی حفاظت و بہبودی اور قیام عظمت و شوکت کا جو خیال و جوش حضور کو ہے وہ کسی اور کو ہے کہاں۔ اور حضرت میر صاحب رضی اللہ عنہ اس خیال و جوش کے جیسے دل دادہ، حامی، سربکف معاون اور جاں نثار مددگار تھے وہ کوئی پوشیدہ امر نہیں۔

مگر آپ کی وفات حسرت آیات پر ان سب نے اور خاص کر سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا جو کیا ہے وہی ہم کو بھی کرنا چاہیئے۔

حضرت میر صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فوت ہو جانا کسی خاص فرد یا پانچ سات دس میں افراد کا نقصان نہیں بلکہ تمام سلسلہ عالیہ احمدیہ کا نقصان عظیم ہے۔ وہ یتیموں کے ملجأ و ماویٰ تھے۔ وہ مسکینوں اور محتاجوں کے ہمدرد و دستگیر تھے۔ وہ علوم دینی کے بحر زخار تھے۔ وہ حقائق و معارف کے دریائے ناپیدا کنار تھے۔ وہ خطیب فصیح اللسان و عذب البیان تھے۔ وہ مناظر یکتا و بے ہمتا تھے۔ محراب و منبر کی ان سے زینت تھی اور کثیر خلق خدا کو ان سے راحت۔ وہ شیدائے قرآن و حدیث اور عاشق خدا و رسول تھے۔ وہ آیات الٰہیہ میں سے ایک بہت منور آیت تھے اور سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے عظیم الشان حجت۔ دل ان کے درد فراق سے بے قرار ہیں اور آنکھیں اشکبار۔ لیکن ع

بلانے والا ہے سب سے پیارا اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

آپ ان کے خلف اکبر ہیں۔ آپ کے بھائی چھوٹے۔ آپ کی والدہ مکرمہ غم دیدہ و درد رسیدہ۔ اللہ تعالیٰ ان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور آپ سب کا حافظ و ناصر ہو۔ آپ کی ذمہ داری بہت بڑھ گئی ہے اور آپ کے خیر طلب آپ سے اُن اخلاق حمیدہ کے متوقع ہیں جو حضرت میر صاحبؓ جیسے بلند پایہ و عالی مرتبہ انسان کا فرزند ہونے کے لحاظ سے آپ کے شایان شان ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ آپ سب کو نوازے اور آپ کو اپنے جامع الصفات والکمالات والد ماجد کا قائم مقام بنائے۔ آمین یا رب العالمین۔

یہاں حضرت میر صاحبؓ کی تعزیت کا جلسہ ہوا، نماز بھی پڑھی گئی، جماعت کا ہر فرد اُن کے لئے دُعاء و مدائح کرتا ہے اور بعض خاص التزام کے ساتھ۔ کون ہے جس کو صدمہ نہیں پہنچا لیکن مرضیٔ مولیٰ از ہمہ اولیٰ

آخر میں اس شعر پر جو اکثر زبان پر آجاتا ہے خاتمۂ تحریر ہے ؎

ہو چکا اس رُخ انور کا نظارا ہو نا
چشم مشتاق مبارک تجھے دریا ہونا

حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کی نہ بھولنے والی یاد

(از مکرم خواجہ خورشید احمد صاحب سیالکوٹی واقفِ زندگی)

مَیں اسلامیہ ہائی سکول سیالکوٹ کی چھٹی کلاس میں تعلیم حاصل کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے صغر سنی میں ہی قبولِ احمدیت کی سعادت عطا فرمائی۔ میرے احمدی ہونے پر گھر کے افراد اور دیگر غیر احمدی رشتہ داروں کی طرف سے مجھے گوناگوں تکالیف پہنچائی جانے لگیں جن کی برداشت نہ کر سکنے کے باعث اِس عاجز کو اپنے وطن سیالکوٹ کو خیرباد کہہ کر قادیان کی مقدس بستی میں رہائش کی نیت سے جانا پڑا۔ قادیان دارالامان میں وارد ہوئے ابھی چند دن ہی گزرے تھے کہ ایک روز میں مہمان خانہ میں بیٹھا اپنے رشتہ داروں کے سلوک کو تصور میں لا رہا تھا کہ حضرت میر صاحبؓ کا میرے پاس سے گزر ہوا۔ آپ السلام علیکم کہہ کر آگے نکل گئے مگر پھر فوراً واپس تشریف لائے اور مجھ سے پوچھا آپ کہاں سے آئے ہیں؟ جواب میں مَیں نے عرض کیا کہ سیالکوٹ سے حاضر ہوا ہوں۔ فرمانے لگے آپ کا یہاں آنا کیسے ہوا؟ اِس سوال کے جواب میں مَیں نے اپنی پوری داستان کہہ سنائی۔ سُن کر بڑے متأثر ہوئے اور آپ کے چہرہ پر عجیب قسم کا رنگ تھا۔ کچھ دیر خاموشی کے بعد فرمانے لگے کوئی فکر کی بات نہیں، جو لوگ خدا کے برگزیدوں کو قبول کرتے ہیں انہیں ایسے ہی حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ پھر میری استقامت کے پیشِ نظر ایک مشفق باپ کی مانند مجھے نصائح فرمائیں۔ بعد ازاں دریافت فرمایا کہ کھانے یا رہائش کی کوئی تکلیف تو نہیں؟ مَیں نے بادب عرض کیا کہ بہتر مجھے کوئی کسی قسم کی تکلیف نہیں۔ مگر پھر بھی حضرت میر صاحبؓ نے مہمان خانہ کے ایک خادم کو بُلایا اور اُسے تاکید فرمائی کہ دیکھو انہیں کھانے اور رہائش کی کوئی تکلیف نہ ہو۔ انہیں فلاں کمرہ دیدو اور ان کے کمرہ میں ہی کھانا لاکر دیدیا کرو۔

اس کے بعد آپ نے مجھے فرمایا کہ آئیے میرے ساتھ! مَیں آپ کے ساتھ ہو لیا۔ حضرت میر صاحبؓ مہمان خانہ میں اپنی رہائش گاہ میں تشریف لے گئے۔ مَیں آپ کے کوارٹر کے دروازہ پر کھڑا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ باہر تشریف لائے آپ کے ہاتھ میں کپڑوں کا ایک جوڑا تھا۔ فرمانے لگے میرے ساتھ چلیں۔ آپ درزی خانہ میں تشریف لے گئے وہاں پر مکرم مرزا مہتاب بیگ صاحب ٹیلر ماسٹر سے فرمانے لگے مرزا صاحب یہ نوجوان بھی آپ کے سیالکوٹ کے ہیں اور بوجہ رشتہ داروں کی مخالفت کے وہاں سے آگئے ہیں۔ دیکھو! یہ کپڑوں کا جوڑا ہے اگر اس میں کسی قسم کی اصلاح کی ضرورت ہو تو وہ کردیں اور اس نوجوان کو دیدیں۔ مَیں نے دو ایک بار عرض بھی کی کہ حضرت میر صاحب میرے پاس پہننے کے کپڑے ہیں مگر آپ کی خوشی اسی میں تھی کہ مَیں آپ کا عطا کردہ تحفہ قبول کرلوں۔ بالآخر مَیں نے آپ کی دلی خواہش کے مطابق وہ کپڑے لے لئے۔

اُس وقت تو مجھے خیال نہ آیا ہاں کچھ وقت بعد خیال آیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت میر صاحبؓ نے عبدالمبارک کی آمد آمد کے پیش نظر کپڑوں کا یہ جوڑا مجھے عنایت فرمایا ہے۔

حضرت میر صاحبؓ کی مقدس اور پاکیزہ زندگی کے آخری سالوں میں مجھے اکثر آپ سے ملنے کا اتفاق ہوتا رہا ہے جب کبھی ملاقات کا موقع میسر آیا میں نے کسی وقت بھی آپ کے چہرہ کو بجز تبسم فرماتے ہوئے نہیں دیکھا۔ آپ ہمیشہ خوش خوش رہتے۔ مہمانوں کا خاص خیال رکھتے تھے۔ غرباء، مساکین اور بیوگان کی تکالیف کی برداشت آپ کے بس کی بات نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ اس عالم فانی سے رخصت ہوئے ہر احمدی کی آنکھ اشکبار تھی اور ہر دل غم و الم کا اظہار کر رہا تھا۔ خصوصاً جماعت کا غریب اور نادار طبقہ تو آپ کی وفات کے دن نہایت اندوہ گیں تھا اور آپ کے احسانات یاد کر کے کثرت سے آنسو بہا رہا تھا۔

اے قابلِ صد عزت و احترام ہستی! تجھ پر خدا تعالیٰ کی اَن گنت رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہو کہ تُو نے اپنی قابلِ صد رشک زندگی میں اپنے اعلیٰ درجہ کے اخلاق و اعمال کے تاثر سے ثابت کر دیا کہ "درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے" کے مطابق اِس زمانہ کا راستباز مسیح موعود جسے اللہ تعالیٰ نے آج سے ستر برس قبل سرزمین قادیان سے اصلاح خلق اور اسلام کی تجدید و احیاء اور دیگر دینوں پر برتری ثابت کرنے کے لئے مبعوث فرمایا تھا اپنے دعویٰ میں واقعی صادق تھا۔ کہ جس کی قوتِ قدسیہ اور روحانی صحبت سے حضرت میر صاحبؓ ایسے قیمتی اور قابلِ قدر انسان پیدا ہوئے۔ سچ ہے کہ ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حضرت سیدہ اُمِّ طاہر احمدؓ صاحب کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے

حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ نے فرمایا:-

"آج کے دن گو اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک ابتلاء میں ڈالا اور ایک عزیزہ محترمہ کو ہم سے جُدا کر لیا مگر اس میں بھی ہمارے لئے بہت سے سبق ہیں۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نمونہ سے ہمیں سکھایا ہے کہ کس طرح بیوی کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا چاہیئے۔ اس کے علاج معالجہ میں کس طرح کوشش کرنی چاہیئے۔"　(الفضل قادیان۔ مورخہ ۸ مارچ ۱۹۴۴ء)

قابلِ ذکر یادیں

(از جناب چودھری عبدالقدیر صاحب فاضل۔ درویش قادیان)

حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے ایک بلند پایہ بزرگ، سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے برادرِ نسبتی، عالم حدیث، ماہر مناظر، علوم عربیہ کے واقف، مدرسہ احمدیہ کے روحِ رواں، ناظر ضیافت یعنی اکرامِ ضیف کی حقیقت سے آشنا، انچارج دارالشیوخ اور یتیم پروری کے احکام سے واقف اور ان پر عامل تھے۔

آپ دہلی کے مشہور صوفی بزرگ شاعر حضرت میر درد دہلوی علیہ الرحمۃ کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کی تربیت مامورِ زمان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے نامی والد حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ نے فرمائی۔

مجھے ان سطور میں حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کے ان تین چار واقعات کا ذکر کرنا ہے جنہوں نے مجھے متاثر کیا اور جن کی یاد آج بھی دل و دماغ میں موجود ہے اور جب بھی آپ کی یاد آتی ہے تو آپ کی بلندیٔ درجات اور آپ کی اولاد کے لئے دل سے دعا نکلتی ہے۔

میں تو محترمی مولانا ابو العطاء صاحب کی خدمت میں گزارش کرتا ہوں کہ اس نمبر کے بعد "حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ نمبر" کا رسالہ بھی نکالنے کا انتظام فرمائیں تاکہ دونوں بزرگ و محترم بھائیوں کے اوصافِ حسنہ اور صفاتِ جمیلہ سے افرادِ جماعت احمدیہ خاص طور پر نوجوان واقف ہوسکیں اور اپنی زندگیوں کو ان بزرگان کے نقشِ قدم پر ڈھالنے کے لئے کوشاں ہوں۔

آج سے قریباً بیس اکیس سال قبل جب بورڈنگ تحریک جدید قادیان کے سپرنٹنڈنٹ محترم صوفی غلام محمد صاحب (حال نائب ناظر بیت المال ربوہ) تھے۔ سردیوں کے دن تھے۔ ایک دن جبکہ بارش اور ہوا کے باعث موسم نسبتاً زیادہ شدید تھا۔ ہم جملہ بورڈران نماز فجر ادا کرنے کے لئے مسجد نور میں پہنچے۔ ابھی بعض دوست سنتیں ادا کر رہے تھے کہ ایک تانگہ مسجد کے قریب آکر رکا۔ تھوڑی دیر میں دیکھا کہ حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ (جو کہ ان دنوں ایک لمبا عرصہ علیل رہنے کی وجہ سے بہت کمزور تھے اور جن کو ابھی ڈاکٹروں نے مکمل آرام اور سردی سے بچنے کا مشورہ دیا ہوا تھا) دو آدمیوں کے سہارے مسجد میں تشریف لائے۔ آپ کے تشریف لانے کے بعد نماز ادا ہوئی جو غالباً ماسٹر محمد طفیل صاحب مرحوم نے (جو ان ایام میں مسجد نور میں امام تھے) پڑھائی۔ نماز کی ادائیگی کے بعد حضرت میر صاحبؓ نے حاضرین کو مخاطب کرکے فرمایا کہ کل صحت بہتر ہونے پر جب آپ نے دارالشیوخ کے متعلق حالات معلوم کی تو انہیں علم ہوا کہ

صرف ایک وقت کا آٹا اور دال باقی ہے۔ اگر کل صبح تک مزید انتظام نہ ہوا تو دارالشیوخ والوں کو کھانا نہ مل سکے گا۔ آپ نے فرمایا کہ اس اطلاع نے مجھے اتنا پریشان کیا ہے کہ رات نیند نہیں آئی۔ میں سوچتا رہا کہ کیا انتظام کیا جائے کہ جس سے اس ذمہ داری کے پورا کرنے میں کوئی کمی نہ آ جائے جو بحیثیت انچارج دارالشیوخ مجھ پر خدا تعالےٰ کی طرف سے یا جماعت کی طرف سے آتی ہے۔ نیز یتیم پروری کے متعلق احکام اسلام کو میں پورا کرنے والا بن سکوں۔ آپ نے بتایا کہ میں نے آخر فیصلہ کیا کہ دارالشیوخ کی اکثریت متعلمین کی ہے اس لئے آج میں متعلمین کے بھائیوں (یعنی متعلمین) کے پاس جاتا ہوں اور یہ مسجد نور جس میں اکثریت نمازیوں کی متعلمین ہے اب صبح ہی یہاں آ یا ہوں تاکہ آپ سب کو آپ کے یتیم بھائیوں کی حالت کی اطلاع دوں۔ اب میں نے باوجود کمزوری، علالت، شدتِ موسم اور ڈاکٹری ہدایت کے خلاف صرف ادائیگی فریضہ کے لئے آپ سب کو آپ کے فرض سے اطلاع کر دی ہے تاکہ آج دارالشیوخ میں ناغہ نہ ہو۔

حضرت میر صاحبؓ نے یہ تحریک اتنے درد سے فرمائی کہ آپ کی تحریک پر اسی وقت طلباء نے وعدے لکھوائے اور باقی احباب نے بھی۔ اور کم و بیش دو سو روپیہ کی رقم جمع ہوئی۔ بورڈران کے وعدہ جات کی ادائیگی کا انتظام محترم صوفی غلام محمد صاحب سپرنٹنڈنٹ نے فوراً فرما دیا۔ اس واقعہ سے حضرت میر صاحبؓ کے جذبۂ یتیم پروری اور احساس ذمہ داری کا پتہ چلتا ہے۔

جلسہ سالانہ کے ایام میں مرکزی افراد خاص طور پر مردار بزرگان کو کثرت کار کی وجہ سے فرصت نہیں ہوتی بلکہ اکثر راتوں کو بھی جاگنا پڑتا ہے تاکہ باہر سے آئے ہوئے مہمانوں کے لئے جملہ سہولتیں بطریق احسن بہم پہنچیں۔ جلسہ کے دنوں میں میں لنگر خانہ بیرون (دار العلوم) میں ڈیوٹی پر تھا۔ مجھے دفتر کی طرف سے ایک لفافہ دیا گیا کہ میں یہ حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کو دیکر ان سے جواب لاؤں۔ میں لفافہ لیکر شہر پہنچا تو حضرت میر صاحبؓ اسوقت مدرسہ احمدیہ کے صحن میں ایک دو دوستوں کو جلسہ سالانہ کے کاموں کے سلسلہ میں بعض ہدایات دے رہے تھے۔ میں نے لفافہ پیش کیا۔ آپ نے لفافہ کھولا اور پڑھ کر مجھے ٹھہرنے کی ہدایت کی اور ایک آدمی کو وہی خط دیکر لنگر خانہ اندرون (متصل مکان حضرت مولوی سرور شاہ صاحب) جہاں آجکل ہمارا سالانہ جلسہ ہوتا ہے جواب لانے کو فرمایا اور آپ پھر انہی دوستوں کو ہدایات دینے لگے۔ اسی اثناء میں ایک خورد سالہ بچہ ہاتھ میں حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ والی نظم "علیك الصلوٰة وعلیك السلام" رنگین کاغذ پر مطبوعہ لئے ہوئے آیا اور کہا مجھے یہ نظم پڑھائیں۔ ایک دوست نے کہا کہ کسی دوسرے سے پڑھ لو لیکن حضرت میر صاحبؓ نے فرمایا کہ جب ایک بچے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنا پیار ہے اور مجھ سے نظم پڑھانے کو کہتا ہے تو ہمارا بھی فرض ہے کہ اسے پڑھائیں چنانچہ آپ جھکے اور نظم کے مصرع "علیك الصلوٰة وعلیك السلام" پر انگلی رکھی اور بچے کو یہ مصرع پڑھاتے رہے تاآنکہ اسے یاد ہو گیا۔ یہ تھا آپ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پیار اور بچوں سے دلداری کا

حضرت میر صاحبؓ فانی فی اللہ انسان تھے

(از جناب حکیم عبد اللطیف صاحب شاہد - لاہور)

مجھے حضرت میر محمد اسحاق صاحب رضی اللہ عنہ کے ساتھ ۱۹۲۱ء کے آخر سے ۱۹۴۴ء آپ کے روز وفات تک رابطہ رہا۔ ۱۹۳۲ء سے ۱۹۴۵ء تک آپ کے ماتحت بطور مہتمم دار الشیوخ کام کرنے کے مواقع ملے۔ ربع صدی کے قریب لمبے عرصہ میں خاکسار نے آپ کو چلتے پھرتے۔ مدرسہ احمدیہ، جامعہ احمدیہ، لنگر خانہ، دار الشیوخ میں اور درس و تدریس حدیث شریف دیتے (جو آپ کا محبوب ترین مشغلہ اور کارنامہ تھا) ہر روز دیکھا۔ اور مجھے آپ سے مختلف اغراض و مقاصد کے ماتحت واسطہ پڑا۔ میں نے آپ کو حقوق اللہ و حقوق العباد ادا کرنے کے لئے ہر وقت نوجوانوں جیسا مستعد پایا۔ قادیان کی پندرہ ہزار نفوس کی آبادی میں سے شاید ہی کوئی ایسا متنفس یا گھرانہ ہوگا جس کو آپ کے ساتھ واسطہ نہ پڑا ہو اور وہ کسی نہ کسی رنگ میں آپ کے احسان کا زیر بار نہ ہو۔ علاوہ دوسرے اوصاف حسنہ و اخلاق مرضیہ کے غریب نوازی اور مسکین پروری آپ کا وہ طرۂ امتیاز تھا جس میں آپ کی ذات ایک بے نظیر نمونہ تھی۔

ایک بار آپ نے کسی خادم کو کوئی تحفہ بصورت پارچہ یا سامان اکل و شرب دیکر مائی خان میرہ افغان مہاجرہ کے پاس بھیجنا چاہا تو خادم نے عرض کی کہ وہ کون خاتون ہیں اور کہاں رہتی ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے؟ وہ احمدی مہاجرہ ہے جس نے احمدیت کی خاطر اپنے دو خورد سال بچوں کو قربان کیا اور خود معاندین نے اس کو لہولہان کر کے خوست کا علاقہ (جو اس کا پیارا وطن تھا) چھوڑ دینے پر مجبور کر دیا۔ اور خادم کو مہاجرہ موصوفہ کے پورے اوصاف بیان کر کے اور اس کی اہمیت جتلا کر اس کے گھر بھیجا۔

مائی خان میرہ رضی اللہ عنہا خوست کے علاقہ کی رہنے والی اور حضرت صاحبزادہ عبد اللطیف شہید رضی اللہ عنہ کے اتباع میں سے تھیں۔ خاوند کے وفات پا جانے کے بعد اس کے غیر احمدی رشتہ داروں نے اس کے دو معصوم بچوں کو زہر دیکر ہلاک کر دیا اور خود اس مرحومہ کو سخت زخمی کر کے وطن سے نکال دیا۔ مرحومہ صرف پشتو جانتی تھی بڑی مصیبتوں سے نورنگ علاقہ بنوں پہنچی اور پھر کچھ عرصہ بعد قادیان میں ہجرت کر آئی اور ساری عمر ۱۹۴۷ء تک وہاں بسر کی اور پارٹیشن کے بعد کچھ عرصہ پھر سرائے نورنگ حضرت شہید مرحومؓ کے خاندان کے پاس چلی گئیں اور وفات سے پہلے ربوہ آگئیں اور وہاں ہی وفات پا کر مقبرہ بہشتی میں دفن ہوئیں۔

ایک بار میرے سامنے آپ نے مکرم بابو وزیر خان صاحب اوورسیر ملک گڑھی رضی اللہ عنہ کے پاس کسی خادم کو کوئی چیز

دیکر بھجوایا۔ اس خادم نے بھی بابو صاحبؓ کے متعلق برائے تعارف عرض کیا تو آپ نے فرمایا۔ کیا تم بابو صاحب کو نہیں جانتے بھئی وہی جو مسجد مبارک میں نماز با جماعت کی خاطر سب سے پہلی صف میں بیٹھا کرتے ہیں۔ بابو صاحب مخلص صحابی تھے اور آپ کا یہ طرۂ امتیاز تھا کہ آپ ہر نماز با جماعت مسجد مبارک میں ادا فرمایا کرتے تھے اور عام طور پر آپ کو پہلی صف میں شامل ہوتے دیکھا گیا ہے۔

میری دارالشیوخ میں تین سال تک بطور مہتمم تقرری کے زمانہ میں بیسیوں طالب علم قادیان بغرض تعلیم آتے۔ جب خاکسار آپ کی خدمت میں ایسے کسی طالب علم یا غریب آدمی کو داخلہ کے لئے پیش کرتا تو تین سال کے لمبے عرصہ میں مجھے یاد نہیں کہ آپ نے کسی کے داخلہ میں کبھی لیت و لعل فرمایا ہو۔ دارالشیوخ میں کسی فرد کے داخلہ کے بعد آپ نہ صرف اس کی ضروریات کا پورا خیال رکھتے بلکہ اس کو بیکار بھی نہ رہنے دیتے۔ اور اگر کوئی شخص طلب علم کی خواہش کرتا تو اُسے ہائی سکول یا مدرسہ احمدیہ میں داخل فرما دیتے اور اگر کوئی درزی وغیرہ کا کام سیکھنا چاہتا تو اُسے وہاں کے انچارج درزی خانہ مرزا مہتاب بیگ صاحب کے سپرد کر دیتے۔

آپ از حد مصروف الاوقات انسان تھے اور ہمہ صفات حسنہ و اخلاق مرضیہ سے متصف۔ آپ کے شب و روز کے مشاغل جو ہم نے پچیس سال تک دیکھے اس سے ہم یہی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آپ فانی فی اللہ انسان تھے علی الصبح متعلقین، مہمانوں اور طلباء کو نماز فجر کے لئے تحریک کر کے لیجانا، نماز کے بعد درس حدیث دینا، واپس آ کر لنگر خانہ اور دارالشیوخ کا جائزہ لینا، چاشت کے وقت مدرسہ احمدیہ اور جامعہ احمدیہ میں تعلیم اور نگرانی کی ڈیوٹی علی الدوام ادا کرنا، پھر ظہر کی نماز کے بعد انجمن کے کاموں میں حصہ لینا، اپنے اہل و عیال کی تعلیمی و تربیتی ذمہ داریوں کو ادا کرنا، کسی جلسہ یا تعلیمی و تبلیغی میٹنگ میں مصروفیت، مہمانوں کی آؤ بھگت اور خبر گیری، ملازمین لنگر خانہ اور دارالشیوخ کی نگرانی اور مناسب ہدایات، قاضی سلسلہ کی حیثیت سے لمبا وقت ہر روز صرف کرنا، سلسلہ کے ہنگامی اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ خدمات ادا کرنا، اخبارات اور رسائل کے لئے مضامین لکھنا، رشتہ داروں کی ضروریات اور حوائج اور ضرورتمند افراد اور محتاج اور غریب و یتامیٰ، بیوگان اور مساکین کی خبر گیری کرنا، یہ اور اسی قسم کے دوسرے چھوٹے موٹے کام جو حقوق اللہ اور حقوق العباد سے تعلق رکھتے ہیں جب بھی ہم نے دیکھا آپ کو ان کی ادائیگی میں ہی مصروف پایا۔ آپ کا بارعب با وقار ہنس مکھ چہرہ ملنے والوں میں ادب و احترام اور محبت و موانست کے جذبات یکساں طور پر پیدا کرتا تھا۔ الغرض آپ کا وجود آپ کے زمانہ کے احمدی مردوں، عورتوں، بوڑھوں، جوانوں اور بچوں کے لئے باعثِ صد رحمت تھا اور آپ جو باقیات الصالحات اپنی تصانیفِ عالیہ اور مضامینِ مفیدہ نیز شاگردوں کے رنگ میں چھوڑ گئے ہیں وہ قیامت تک آپ کے لئے انشاء اللہ صدقہ جاریہ بنی رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ آپ کی اولاد در اولاد کو بھی آپ کے رنگ میں رنگین بنائے اور اسلام و احمدیت کی بیش تر خدمات کی توفیق بخشے، آمین ؂

چند ایمان افروز واقعات

(از جناب مولوی عبد المجید صاحب منیب واقف زندگی ضلع سرگودھا۔)

(۱) غالباً ۱۹۱۸ء کا واقعہ ہے کہ حضرت عمویم مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل ہلالپوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عیادت وغیرہ کے لئے خاکسار قادیان دارالامان پہنچا۔ اس وقت تک حضرت عمویم مرحوم نے اپنا مکان محلہ دارالفضل میں نہیں بنوایا تھا۔ معلوم ہوا کہ حضرت عمویم مرحوم حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان میں حضرت میر محمد اسحٰق صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ڈبل نمونیہ کے باعث صاحبِ فراش ہیں۔ خاکسار نے جب حضرت میر صاحبؓ کے دروازہ پر دستک دی تو حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ نے تھوڑا سا دروازہ کھول کر خاکسار سے دریافتِ حال فرما کر اندر داخل ہونے کی مجھے اجازت فرمائی۔ مگر خاکسار کے داخل ہونے سے پہلے وہاں دروازہ میں ہی کھڑے کھڑے حضرت عمویمؓ سے فرمایا مولوی صاحب! آپ کا ایک عزیز آپ کے ملنے کے لئے آپ کے گھر سے آیا ہے مگر آپ کو اُٹھنے اور ہاتھ ہلانے اور کسی قسم کی حرکت کرنے کی ہرگز اجازت نہیں ہوگی۔ ہاں آہستہ آہستہ تھوڑی دیر تک بول سکتے ہیں۔ سخت سردی کا موسم تھا کمرہ کے وسط میں موٹی موٹی لکڑیاں اکٹھی بہت سی جل رہی تھیں دروازے اور تمام روشندان بند تھے۔ حضرت میر صاحبؓ پاس ہی کرسی پر بیٹھے بڑی بے تکلفی سے حضرت مولوی صاحبؓ کے ساتھ باتیں کر رہے تھے۔ اکثر ان میں خوش طبعی کی باتیں معلوم ہوتی تھیں کیونکہ کچھ دیر کے بعد حضرت عمویم مرحوم ہنس پڑتے اور حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ فرماتے دیکھئے مولوی صاحب! آپ کے لئے ہنسنا سخت مضر ہے، تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد یہی کیفیت ہوتی۔ گھڑی پاس ہی میز پر رکھی ہوئی تھی مقررہ وقت پر حضرت میر صاحبؓ خود ہی حضرت عمویم مرحوم کو لیٹے لیٹے دوائی پلاتے تھے، پھر کوئی بات شروع فرما دیتے۔ اسی سلسلہ گفتگو میں حضرت میر صاحب رضؓ نے حضرت عمویمؓ سے دریافت فرمایا کہ مولوی صاحب! آپکے والد صاحب کی اس وقت کتنی عمر ہوگی؟ حضرت عمویمؓ نے فرمایا کہ تقریباً ۸۵ سال ہوگی۔ اور پھر فرمایا کہ اس وقت تک ان کے سر کے بال بالکل سیاہ اور داڑھی میں سفید سیاہ ملے جلے ہیں اور خدا تعالیٰ کے فضل سے بینائی بہت اچھی ہے۔ اس پر حضرت میر صاحبؓ نے فرمایا کہ مولوی صاحب! آپ میری بات سنیں (۱) آپ کے والد صاحب عین وقت پر کھانا کھاتے ہیں (۲) کم کھاتے ہیں (۳) ترپھلہ کا استعمال کرتے ہیں (۴) فضول چیزوں کے کھانے سے اجتناب کرتے ہیں۔ ان تمام باتوں کو سن کر اور مذکورہ کوائف کو دیکھ کر مجھ پر یہ اثر ہوا کہ یہ شخص بڑا زندہ دل اور حضرت عمویمؓ کا بڑا غمخوار، ہمدرد و مہربان اور بڑا زیرک طبیب ہے۔ کیونکہ جو جو باتیں انہوں نے حضرت عمویمؓ کے والد صاحب کے متعلق بیان فرمائی تھیں وہ بعینہٖ اسی طرح اور سو فیصدی

صحیح معنوں میں خاکسار خود ان واقعات کا چشم دید گواہ تھا۔ یہ پہلا موقعہ ہے جس میں یہ خاکسار حضرت میر صاحب کے ساتھ متعارف ہوا۔

(۲) ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ خاکسار حضرت عمویم مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل ہلالپوری مرحوم کو ملنے کے لئے جامعہ احمدیہ میں حاضر ہوا تو آپ حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ کے پاس بیٹھے ایک دوسرے کے ساتھ بے تکلفی کی باتیں کر رہے تھے۔ اثنائے گفتگو میں حضرت میر صاحبؓ نے بطور مزاح فرمایا کہ مولوی صاحب! میں آپ کے ساتھ مناظرہ کرنا چاہتا ہوں آپ چاہیں تو غیر احمدیوں کی وکالت کریں یا احمدیوں کی۔ حضرت عمویم مرحومؓ نے فرمایا کہ میں چونکہ احمدی ہوں اسلئے میں کسی صورت میں بھی غیر احمدیوں کی وکالت پسند نہیں کرتا اور میں آپ کے ساتھ مناظرہ کرنا بھی نہیں چاہتا۔ اس کے بعد حضرت سید میر محمد اسحٰق صاحبؓ نے فرمایا کہ مولوی صاحب مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ اگر میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور حضورؑ کی گھریلو زندگی کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا ہوتا تو شاید مجھے آپ کو ماننے کی سعادت نصیب نہ ہوتی۔ مگر میں نے بخدا مسیح پاکؑ کی پاک زندگی کو اپنی ان آنکھوں سے دیکھا ہے (اس وقت حضرت میر صاحبؓ کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا آئیں) اور اپنے دونوں ہاتھوں کی انگشتِ شہادت سے اپنے آنسوؤں کو پونچھتے اب بھی میرے خیال میں میرے سامنے بیٹھے نظر آرہے ہیں۔

(۳) آٹھ مارچ سنہ ۱۹۴۷ء کو حضرت عمویم مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل ہلالپوریؓ کی قادیان میں وفات ہوئی۔ خاکسار غمگسار جب قادیان پہنچا تو قادیان جیسی پُر رونق اور مبارک جگہ کے باوجود میری عجیب کیفیت تھی گویا میں کسی جنگل میں کسی غمخوار اور کسی ہمدرد کا متلاشی تھا اور لوگوں کے میل جول سے ایک گونہ نفرت جیسی تھی کسی چیز کے ساتھ دل نہیں لگتا تھا۔ میرا قلبِ حزیں کسی اور چیز کا متلاشی تھا اور بھائیوں سے کچھ اور باتیں سنتا تھا۔ پس ایسی حالت میں میری بعض واجب الاحترام ہستیوں نے مجھے تسلی دلائی اور حوصلہ افزائی فرمائی۔ حضرت میاں بشیر احمد صاحب، حضرت مولوی غلام رسول صاحب فاضل راجیکیؓ اور حضرت سید میر محمد اسحٰق صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حضرت سید میر محمد اسحٰق صاحبؓ کا واقعہ یوں ہوا کہ عصر کی نماز پڑھ کر مسجد نور کی شمال کی طرف سڑک کے ایک طرف میں افسردہ خاطر کھڑا تھا کہ حضرت سید میر محمد اسحٰق صاحبؓ حضرت نواب صاحبؓ کے باغ کی طرف سے اپنے معمول اور دستور کے خلاف سیدھے راستے کو چھوڑنے اور سڑک کو کاٹنے اور مسجد نور اور حضرت نواب صاحب کے باغ کے مابین میدان کو عبور کرتے ہوئے سیدھے اس خاکسار اور بے چیمبرز کے پاس پہنچے اور جن دردمندانہ اور مشفقانہ الفاظ میں تسلی دی میں ان الفاظ اور تاثرات کو احاطۂ تحریر میں لانے سے اپنے آپ کو عاجز پاتا ہوں جس وقت بھی اس مردِ خدا کا ذکر آتا ہے تو دل دعا کے لئے مجبور ہو جاتا ہے۔ آپ کا اس طرح خاتمہ ہوا کہ گویا حضرت سعدیؒ کا یہ شعر آپ ہی کے لئے تھا ؎

عروسی بود نوبتِ ماتمت ÷ اگر بر نکوئی بود خاتمت

(۴) سنہ ۱۹۴۳ء کا واقعہ ہے کہ ایک مولوی وضع کا غیر احمدی مہمان تحقیقِ مسائلِ اختلافیہ کے لئے قادیان آیا۔ حضرت سید

میر محمد اسحٰق صاحبؓ نے فرمایا کہ ان کو تبلیغ کرنا۔ چنانچہ خاکسار نے انہیں پیغام حق پہنچایا۔ جب سلسلہ تبلیغ کو بند کر کے ہم سونے لگے تو اس مہمان نے واپسی کے کرایہ کے متعلق بندہ سے انتظام کے لئے فرمایا۔ اسوقت میں صفر الیدین تھا۔ اسکے باوجود میں نے وعدہ کیا کہ میں انشاء اللہ کل آپ کے لئے انتظام کر دوں گا۔ صبح کی نماز کے بعد ایک دوست نے حضرت میر محمد اسحٰق صاحب کے پوچھنے پر ان کی خدمت میں تمام حالات عرض کر دیئے کہ تبلیغ تو اس کو اچھی طرح کر دی گئی ہے اس نے واپسی کرایہ کا مطالبہ عبد المجید سے کیا تھا اور عبد المجید نے وعدہ کیا ہے کہ میں انتظام کر دوں گا۔ اس پر حضرت میر صاحب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ مہمان عبد المجید کا نہیں بلکہ ہمارا مہمان ہے اسلئے اس کو کرایہ ہم دیں گے۔ چنانچہ حضرت میر صاحبؓ نے اس کے کرایہ وغیرہ کا انتظام فرما دیا۔

(۵) ایک دن قادیان دار الامان کی مسجد اقصیٰ میں جب حضرت میر صاحب درس الحدیث سے فارغ ہوئے تو میں نے مصافحہ کرتے ہوئے آپ کے دست مبارک کو بوسہ دیا تو آپ نے اپنے ہاتھ کو جھٹکے سے کھینچا اور فرمایا ایسا ہرگز نہیں چاہیئے۔

(۶) خاکسار کے گاؤں موضع ہلا پور ضلع سرگودہا کے نمبردار حضرت حافظ عبد العزیز صاحب نون رضی اللہ عنہ صحابی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میرے پاس بیان فرمایا کہ اوائل خلافت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود ایدہ اللہ الودود کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ پیغامیوں نے کہا کہ اگر قادیان کے جلسہ سالانہ پا مسجد اقصیٰ میں ایک بار ہماری تقاریر مبائعین سُن لیں تو سب کے سب ہمارے ہم خیال اور ہم عقیدہ ہو جائیں۔ اسی خطرہ کے پیش نظر میاں صاحب (حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ) ہمیں تقریر کرنے کا موقعہ نہیں دیتے اور نہ ہی وہ اپنی جماعت کو ہماری تقاریر سُننے دیتے ہیں۔ اس پر اس جری اللہ جری اللہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے انکو اجازت دیدی اور مسجد اقصیٰ میں اپنی جماعت کو کہا کہ وہ ان کی تقاریر کو سُنیں۔ چنانچہ انہوں نے بڑھ بڑھ کر تقریریں کیں۔ حضرت حافظ عبد العزیز صاحبؓ فرمایا کرتے کہ ان کی تقاریر کو سُن کر میرا دل دھڑکنے لگا کہ ان کی باتوں کا کیا جواب ہو سکتا ہے۔ ان کے جواب کے لئے حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ مقرر تھے مگر حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ نے حضرت حافظ صاحبؓ سے ان کو جواب دینے کیلئے وقت مانگا۔ پس جب حضرت میر صاحبؓ نے تقریر شروع کی اور ان کے اعتراضات کے دندان شکن جواب دیئے، تو غیر مبائعین کے علماء اپنی کتابوں کو ہاتھ میں پکڑے باوجود روکنے کے نہ رُکے اور تشریف لے گئے۔ اس وقت جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقاً کا نظارہ نظر آگیا اور حضرت میر صاحبؓ کی تقریر سے تلقف ما یأفکون حضرت موسیٰؑ کے عصا کا منظر اپنے سامنے تھا۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خلافت حقہ پر پہلے سے بھی کہیں بڑھ کر یقین محکم ہو گیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک ؏

حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کے جذباتِ شفقت و محبت

(ازجناب مولوی عبد اللطیف صاحب ستکوہی ۔ لاہور)

عاجز کی پہلی ملاقات

۱۹۲۶ء کا واقعہ ہے کہ عاجز پانچویں جماعت پاس کر کے بیکار پھرتا تھا۔ والد صاحب فوت ہو چکے تھے۔ عاجز کو مستری محمد دین صاحب دیالگڑھی کے ذریعہ میری جائے سکونت ستکوہا ضلع گورداسپور میں اطلاع ملی کہ بورڈنگ تحریک جدید میں ایک چپڑاسی کی ضرورت ہے میرے بڑے بھائی ملک عبد الحمید صاحب مجھے قادیان چھوڑ آئے۔ چوہدری علی محمد صاحب ریتی چھلہ ٹال والے مجھے بورڈنگ لے گئے تو سپرنٹنڈنٹ صاحب نے یہ کہہ کر کہ ہمیں تو ایسے جوان آدمی کی ضرورت ہے جو دو من آٹے کی بوری بازار سے اٹھا کر لا دے مجھے رد کر دیا۔ واپسی پر چوہدری صاحب مذکور نے مجھے پوچھا۔ بیٹا تم پڑھنا چاہتے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ مجھے پڑھنے کا تو بہت شوق ہے لیکن وسائل سے محروم ہوں تو انہوں نے کہا اس کا بندوبست ہو جائے گا۔ چنانچہ وہ مجھے سیدھے حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کے پاس لے گئے۔ آپ نے نہایت شفقت سے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا میں آپ کی پڑھائی کا انتظام کر دوں گا۔ جب تک کوئی مستقل انتظام نہیں ہوتا آپ میرے گھر سے ہی کھانا کھایا کریں۔ اُس وقت آپ جامعہ احمدیہ میں پروفیسر تھے اور آپ کی رہائش دار العلوم قادیان والے مکان میں تھی۔ چنانچہ آپ نے کتب وغیرہ کا انتظام کر کے عاجز کو مدرسہ احمدیہ میں داخل کروا دیا اور عرصہ ڈیڑھ سال تک عاجز کو آپ کے گھر میں رہنے کی توفیق ملی۔

ذرہ نوازی

اس کے بعد عاجز بورڈنگ مدرسہ احمدیہ میں داخل ہو گیا لیکن پھر بھی آپ اکثر اپنے گھر بلاتے اور اپنی مشہور و معروف عادت غریب نوازی سے ایسا سلوک کرتے جس طرح برابر کا کوئی دوست ہو۔ چنانچہ حضرت امی جان (آپ کی اہلیہ صاحبہؓ) ایک دفعہ خاکسار کے لئے انڈے فرائی کر کے روٹی لائیں اور تکرار سے کہا کہ کھا لو۔ لیکن میں انکار کرتا رہا۔ تو حضرت میر صاحبؓ نے مداخلت کی اور فرمایا۔ بھئی کھا لو آپ کے لئے ہی خاص طور پر آپ کی امی پکا کر لائی ہیں۔ اصل میں جس طرح ماں بعض اوقات اپنے بچے کو ڈانٹتی ہے اسی طرح کا ایک واقعہ اس سے قبل ہو چکا تھا اور امی جان محض شفقت سے خاکسار کو مناتی تھیں۔

ایک دفعہ ہمارا ماہی امتحان کا نتیجہ بورڈ پر چسپاں کیا گیا تو میں دیکھ رہا تھا کہ یکایک عاجز کو پیچھے سے کسی نے تھپکی دی اور شاباش شاباش کے الفاظ سنائی دیئے۔ عاجز اپنی کلاس میں اول آیا تھا اور میرے محسن حضرت

میر صاحبؓ میری حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔

آپ اکثر دیہات میں تبلیغی جلسے منعقد فرماتے اور مدرسہ احمدیہ کے طالب علموں کو ساتھ لیجاتے اور اُن سے تقریریں کرواتے۔ ایک موقعہ پر عاجز نے بھی تقریر کی تو اگلے دن کلاس میں تمام طلبہ کے سامنے خاکسار کی تعریف فرمائی اور دوسرے طلبہ کو بھی تحریک فرمائی کہ جو کچھ بھی آتا ہو اس کے مطابق پیغام حق پہنچانے کے جذبہ سے دیہات میں جاکر تقریریں کیا کریں۔

ایک دفعہ عاجز ایک ماہ میں چودہ دن کلاس سے غیر حاضر رہا اور چودہ آنے جرمانہ ہوگیا۔ جرمانے والے لڑکے کھڑے ہوگئے اور آپ ان سے مطالبہ کرتے کرتے میرے پاس پہنچے اور فرمایا۔ لاؤ بھئی چودہ آنے جرمانہ۔ اور فوراً اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر چودہ آنے نکالے اور مجھے دیکر پھر فرمانے لگے لاؤ اب جرمانہ دیدو۔ میں شرمندہ بھی ہوا اور ممنون بھی۔ یہ واقعہ یاد کرکے آج تک میں ملے جلے جذبات کو محسوس کرتا ہوں۔

ایک دفعہ جبکہ آپ مہمانخانہ کے ایک کوارٹر میں قیام فرما تھے اور شدید بیمار ہوگئے۔ ناک سے پانی بہتا تھا اور تھمتا نہیں تھا۔ بخار وغیرہ کی وجہ سے بعض اوقات بے ہوش بھی ہوجاتے۔ اس دوران میں آپ نے خاکسار کو بلایا اور بعض اور طلبہ کی ڈیوٹیاں لگیں اور خاکسار کو ان پر نگران مقرر کیا۔ بسا اوقات خاکسار کو رتجگا کرنا پڑتا۔ اس سے میری صحت خراب ہوگئی۔ حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ نے عاجز کو دیکھا تو فرمایا کہ بیٹا تمہیں تو یرقان ہوگیا ہے۔ چنانچہ خاکسار کو نور ہسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ رات کو میری روٹی ہسپتال نہ گئی تو اگلے دن میں واپس آگیا۔ میرے غمخوار حضرت میر صاحبؓ کو کسی طرح علم ہوگیا تو مجھے بلوایا اور واپسی کی وجہ پوچھی۔ میں نے عرض کیا حضور میں رات بھوکا رہا ہوں مجھے ہسپتال روٹی نہیں پہنچی۔ آپ یہ سُن کر بیتاب ہوگئے اور اسی وقت بورڈنگ کے سپرنٹنڈنٹ صاحب اور دونوں چپراسیوں کو بلوایا اور سختی سے دریافت کرکے چپراسیوں کو معطل کر دیا۔ (گو بعد میں معاف کر دیا۔) اور مولا بخش صاحب باورچی کو لنگر خانہ سے بلایا اور فرمایا یہ لڑکا جو بھی کہے یا پیغام بھیجے اس کو پکا کر ہسپتال بھیجنا آپ کی ڈیوٹی ہے۔ پھر آپ نے مولوی غلام رسول صاحب پٹھان دودھ فروش کو بلایا اور انہیں فرمایا کہ یہ لڑکا جو بھی کھا دے یا ہسپتال منگوائے اس کو دیدیں اس کا بل میں ادا کروں گا۔ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کو ایک چٹھی لکھی کہ یہ بچہ میں بھیج رہا ہوں اس کا خاص طور پر علاج کیا جاوے۔ چنانچہ خاکسار کو سہ ماہی یا نوماہی امتحان تھا اس سے بھی چھٹی مل گئی اور علاج بھی ہوا اور خوراک کا بھی ایسا اچھا انتظام ہوا کہ خاکسار اپنی صحت کے دنوں سے بھی زیادہ طاقت اپنے اندر محسوس کرنے لگا اور آج تک اپنے اندر اس محسن کے لئے جذبات تشکر و امتنان محسوس کرتا ہے۔

آپ کی ایک بیماری کے دوران ماسٹر محمد طفیل صاحب مرحومؓ قائم مقام ہیڈ ماسٹر مدرسہ احمدیہ تھے۔ وظیفہ

کی درخواستوں کا وقت آیا۔ چنانچہ عاجز نے بھی وظیفہ کے لئے درخواست دی اور لکھا کہ خاکسار چونکہ اپنی جماعت میں خدا کے فضل سے اوّل آتا ہے لہذا خاکسار کو وظیفہ دیا جاوے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس کا فیصلہ حضرت میر صاحبؓ ہی فرمائیں گے۔ چنانچہ جب ان کے صحتیاب ہونے پر درخواستیں پیش ہوئیں تو خاکسار کو آپ نے بلایا اور فرمایا لطیف! تمہیں وظیفہ کی کیا ضرورت ہے۔ مَیں نے عرض کیا حضور! میرے پاس بورڈنگ میں فیس جمع کرانے کے لئے (جو بارہ آنے ماہوار تھی) رقم نہیں ہے۔ اسلئے سپرنٹنڈنٹ صاحب نے خاکسار کو بورڈنگ سے خارج کر رکھا ہے اور خاکسار ان دنوں مہمانخانہ میں مقیم ہے۔ آپ بے چین ہو گئے اور سپرنٹنڈنٹ صاحب کو فوراً بلا کر دریافت فرمایا کہ آپ نے لطیف سلّمہٗ کو کیوں خارج کیا ہے۔ جواب میں سپرنٹنڈنٹ صاحب نے فرمایا جی ان کا تین ماہ کا بقایا ہے۔ آپ نے ایک چِٹ لی اور اس پر "داخل بلا فیس" لکھ کر سپرنٹنڈنٹ صاحب کو دیدیا اور فرمایا کہ ان کو کبھی خارج نہ کریں اور اسی وقت کتب اور پارچات کے لئے منشی عبدالخالق صاحب کو لکھا کہ حامل ہذا کو فوراً تیس روپے دیدیں۔ منشی صاحب موصوف بھاگے بھاگے آئے اور کہنے لگے جناب بجٹ میں گنجائش نہیں ہے۔ فرمایا میں نہیں بجٹ وجٹ جانتا۔ بعد میں دیکھا جاوے گا۔ ان کو یہ پے منٹ کر دیں۔ چنانچہ وہ رقم مجھے مل گئی۔ اور فرمانے لگے جب تک مَیں زندہ ہوں آپ کو کسی وظیفہ وغیرہ کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت میر صاحبؓ کے درجات بلند فرمائے۔ آمین ؛

حضرت میر محمدؐ اسحاق صاحبؓ کے واقعات میں سے کچھ

(از جناب سیّد سبط الحسن صاحب کراچی)

حضرت میر صاحبؓ سے میرا تعارف اِس طرح ہوا کہ میرے ایک مہربان بزرگ اختر علی صاحب تھے جن کے ذریعہ مَیں قادیان آیا۔ یہ زمانہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی سلور جوبلی کے بعد کا تھا۔ ان دنوں جلسہ سالانہ میں حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی تقریر "سیر روحانی" کے عنوان سے ہو رہی تھی اور حضور سخت کھانسی کی تکلیف کے باوجود گھنٹوں مسلسل تقریر فرما رہے تھے۔ یہ میری زندگی کا پہلا موقعہ تھا کہ احمدیت کے تصوراتی محاسن کو عین الیقین سے مشاہدہ کر رہا تھا جس کی تفصیل کا یہاں موقعہ نہیں۔

بہرحال وہاں حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ سے ملاقات ہوئی۔ حضرت میر صاحبؓ نے میرے حالات معلوم کئے اور مدرسہ احمدیہ کے بورڈنگ میں میری رہائش کا انتظام فرما دیا۔ ابھی میں مہمانخانہ میں مقیم تھا۔ جہاں کا ماحول مذہبی ذکر و فکر کی وجہ سے بڑا ہی دلچسپ تھا اور میرے لئے تو اور بھی سازگار تھا اور اسی لئے میں وہاں سے علیحدہ ہونا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن سوء اتفاق کہ انہی دنوں ایک سکھ نوجوان مہمانخانہ میں ٹھہرا اور بیعت کرنے کی خواہش کا اظہار کرتا رہا اور پھر چند دنوں کے بعد جاتے ہوئے میرا سامان بھی سمیٹ کر لے گیا۔ یہ واقعہ حضرت میر صاحبؓ کو معلوم ہوا تو مجھ سے ملے اور فرمانے لگے کہ "یہاں سب اچھے ہی لوگ نہیں آتے بلکہ بعض بُرے بھی ہوتے ہیں اسی لئے میں نے کہا تھا کہ بورڈنگ چلے جاؤ۔" چنانچہ یہ سن کر میں بہت نادم ہوا اور بورڈنگ میں جا ٹھہرا۔

حضرت میر صاحبؓ ان دنوں ناظر ضیافت اور مدرسہ احمدیہ کے انچارج تھے۔ طلباء ان سے بہت ہی مرعوب رہتے تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ بحیثیت شفیق باپ کے تھے۔ آپ اگرچہ صفراوی مزاج کے انسان تھے اور بعض امراض بھی آپ کو لاحق تھے لیکن ان کے روزمرہ کے معمولات دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ کس طرح تمام کام سرانجام دیتے ہیں۔ صبح کی نماز کے بعد مدرسہ احمدیہ میں آنا اور سارا دن بچوں کی تعلیم و تربیت پر صرف کرنا پھر ظہر کی نماز میں اسٹاف کے ساتھ قطار در قطار مسجد اقصیٰ کی طرف روانہ ہونا اور بعد نماز درس احادیث اور لنگر خانہ کی نگرانی وغیرہ کا لامتناہی سلسلہ تھا۔

حضرت میر صاحبؓ کو احادیث کے بیان کرنے میں جو مہارت تھی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ احادیث کے ساتھ ساتھ قرآنی آیات کو بلا تکلّف بیان کرنا اور کلام نبویؐ کی حقیقت اور فلسفہ کو نہایت خوبی سے ذہن نشین کرانا آپ کا آرٹ تھا کہ جس سے ذوقِ سلیم پھڑک اٹھتا تھا۔ چنانچہ ایک بار حضرت میر صاحبؓ نے درس میں وہ حدیث بیان فرمائی جس میں ذکر ہے کہ دوزخ پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جبکہ اس کے دروازے ہوا کے جھونکے سے آپس میں ٹکرائیں گے اور وہاں کوئی نہ ہوگا۔ اس حدیث کے ساتھ قرآنی آیت فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ اور خدا کی صفتِ رحیمیت اور غفوریت سے ایسا ثبوت فراہم فرمایا کہ حاضرین سبحان اللہ پکار اٹھے۔ آپ نے بیان فرمایا کہ چونکہ انسان کے گناہ محدود ہیں اسلئے سزا بھی محدود ہے اور جب سزا محدود ہے تو دوزخ کی زندگی بھی محدود ہے۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت غیر محدود ہے اسلئے جنت کی نعمتیں بھی غیر محدود ہیں۔

حضرت میر صاحبؓ مع اہل و عیال مہمانخانہ میں رہتے تھے اور یہاں رہنے کی غالباً ایک وجہ یہ بھی کہ انہیں بورڈنگ کے طلباء کا خاص خیال تھا۔ میرا مشاہدہ ہے کہ طلباء جب بھی بیمار ہوتے حضرت میر صاحبؓ علاج معالجہ پر پوری توجہ فرماتے چنانچہ انہی دنوں ایک طالب علم کو سگ گزیدگی کا دورہ پڑا میر صاحب کو معلوم ہوا تو مسلسل کئی روز تک مع ڈاکٹروں کے اسکے پاس موجود رہے۔ اللّٰھمّ ارحمہ وارفع درجاتہٗ فی الجنّۃ ۞

حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ کی غریب پروری

(از محترمہ عالمہ بی بی صاحبہ بیوہ میاں احمد الدین صاحب ٹیسلر ماسٹر)

مکرمی مولوی صاحب۔ السلام علیکم۔ الفضل میں پڑھا تھا کہ آپ الفرقان کا حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ نمبر نکال رہے ہیں اسلئے تھوڑی سی باتیں لکھ رہی ہوں۔

میرا نام عالمہ بی بی ہے۔ میں میاں عبدالستار صاحب کی بیٹی ہوں جو میاں لگا کہلاتے تھے۔ میری والدہ جب فوت ہوئیں تو میں ڈھائی سال کی تھی اور میری چھوٹی بہن چھ ماہ کی تھی۔ والدہ کے فوت ہونے کے بعد ہمیں ہماری سوتیلی بڑی بہن رحیم بی بی اپنے گھر لے گئی۔

رحیم بی بی جب تین سال کی تھی تو اس کی والدہ کے فوت ہونے پر حضرت نانی اماں نے اس کو اپنی بیٹی بنالیا تھا اور اپنے گھر لے گئی تھیں۔ اس کی پرورش اپنے بچوں کی طرح کی پھر اس کی شادی کر دی لیکن چونکہ میرے بہنوئی غریب تھے اسلئے نانی اماں کئی کئی سال اس کو اپنے پاس رکھتیں اور جب بھیجتیں تو بیٹیوں کی طرح کپڑے، زیور وغیرہ بنا کر دیتیں۔ بعد میں آپ نے اپنے گھر کے ساتھ ہی ایک چھوٹا سا مکان بنوا لیا تھا اور میری بہن کو وہیں بلوا لیا۔ اور اس کی وفات تک اس کی پرورش کی۔ اور اس کے بچوں کا بھی سب خرچ خود برداشت کرتی تھیں۔

جب ہم دونوں یتیم بہنوں کو بھی ہماری بڑی بہن اپنے ساتھ لے گئی اور ہم ذرا بڑی ہو گئیں تو حضرت میر صاحبؓ نے ہمیں اپنے گھر بلا لیا۔ ہماری طرح اور بھی بچے آپ کے گھر میں رہتے تھے۔ دو لڑکے سلطان اور کرم الٰہی بھی رہتے تھے۔ کرم الٰہی تو تین ماہ کا پالا تھا۔ ان کے علاوہ دو تین چھوٹی لڑکیاں بھی تھیں۔

حضرت میر صاحبؓ (جن کو ہم میاں کہا کرتے تھے) ہمارے کھانے پینے اور آرام کے علاوہ ہماری بہت دلداری کرتے تھے۔ اکثر کہانیاں سناتے اور پہیلیاں پوچھا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ ہماری تعلیم و تربیت کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ نماز کے علاوہ قرآن شریف کی سورتیں ہمیں خود زبانی یاد کرواتے اور اگر ہم سے کوئی غلطی ہو جاتی تو ہمیں نہایت احسن طریقے سے سمجھاتے تھے۔

ایک دفعہ ہم بچوں کو پان کھانے کا شوق ہوا۔ کیونکہ ہم ہر روز نانی اماں کو پان کھاتے دیکھتے تھے۔ ایک دن میں نے چھپ کر سب کے لئے ایک ایک پان لگایا اور ان میں نادانی سے خوب زردہ ڈالا۔ عبدالرحیم

میرا بھانجا تو پان کھا کر باہر بھاگ گیا اور ہمارے پان ہماری مٹھیوں میں تھے کہ موقع ملے تو ہم بھی کھالیں۔ اتنی دیر میں میاں عبدالرحیم کو باہر سے گود میں اٹھا کر لا رہے تھے اور وہ بے ہوش تھا۔ حضرت میر صاحبؓ نے پانی کے چھینٹے وغیرہ دے کر اس کو ہوش دلائی۔ میاں سمجھ گئے تھے کہ اس نے پان کھایا ہے کیونکہ اس کے منہ سے زردے کی بو آ رہی تھی۔ اس وقت ہمیں میاں نے کچھ نہیں کہا۔ لیکن تین چار روز کے بعد مجھ سے پاندان منگوایا اور کہنے لگے کہ عالمہ! تمہارے پان میں کتنا زردہ ڈالوں؟ میں شرمندہ ہوگئی اور سمجھ گئی کہ میاں کو پتہ لگ گیا ہے کہ میں نے زردے والا پان عبدالرحیم کو دیا تھا اور اب مجھے تنبیہ کر رہے ہیں۔ غرض آپ کے سمجھانے اور سکھانے کا بڑا اچھا طریق تھا۔

پہلے نوٹوں کا رواج نہیں ہوتا تھا بلکہ سب چاندی کے روپے ہوتے تھے۔ میاں جب تنخواہ لاتے تو انگیٹھی پر رکھ دیتے اور وہیں سے لے کر خرچ کرتے رہتے تھے۔ ہم لڑکیاں بھی جب اکیلی ہوتیں تو روپے اٹھا لیتیں اور روڑوں کی طرح اُن سے کھیلتیں اور پھر رکھ دیتیں۔ ایک دفعہ اماں جان گھر میں نہیں تھیں ہم روپوں کے ساتھ کھیل رہی تھیں کہ میاں دفتر سے آگئے اور تھوڑی دیر تک ہمارے ساتھ روپوں سے کھیلتے رہے۔

میاں کے گھر میں ہمارا بچپن گزرا۔ میری شادی کے بعد بھی میرا بہت خیال رکھتے تھے ہر موقع پر مجھے یاد رکھتے اور میری مدد کرتے۔ اور اگر کبھی بیمار ہوتی تو روزانہ دوائی، دودھ وغیرہ بھجواتے اور ہر روز آدمی بھیج کر میری طبیعت پوچھواتے اور ہر طرح سے مدد کرتے۔

گرمیوں میں تالاب کا پانی ہمارے گھر تک آجاتا تھا۔ آپ کئی دفعہ اپنے گھر سے گیلیوں کی کشتی میں بیٹھ کر آجاتے اور وہاں سے میرے گھر آتے اور کئی دفعہ کھانا بھی کھاتے۔ ایک دفعہ میرے گھر میں صرف اچار اور روٹی تھی۔ آپ نے وہی بڑے خوش ہو کر کھائی۔ غریبوں کی پرورش اور مدد کر کے آپ کو دلی خوشی ہوتی تھی۔

ایک دفعہ عید سے ایک دن پہلے مجھے بلوایا اور کپڑوں کے تھان میرے سامنے رکھ دیئے اور کہنے لگے کہ عالمہ! دارالشیوخ کے بچوں کی عید بنا دو۔ میں نے کہا کہ اب تو وقت بہت تھوڑا ہے لیکن فرمایا کہ جس طرح بھی ہو بچوں کی خوشی کرا دو۔ چنانچہ میں تھان گھر لے گئی، تین چار مددگار بٹھالیں اور صبح کی اذان تک اٹھارہ جوڑے سی دیئے۔ صبح بچے آکر پہن کر چلے گئے۔ میاں نے مجھے سلوائی کے علاوہ دس روپے انعام بھی دیا اور فرمانے لگے کہ مجھے بہت خوشی ہوئی کہ تم نے بچوں کی عید کرا دی۔

غرضیکہ اس طرح کے سینکڑوں واقعات ہیں جو ہماری زندگی میں گزرے۔ میاں غریبوں کے بہت ہمدرد اور خیر خواہ تھے۔ اور پوشیدہ طور پر اور دلی خوشی کے ساتھ مدد کرتے تھے۔ میں نے آپ کے

بیٹے سید مسعود احمد سلمہ ربہ کو دودھ پلایا تھا۔ جب عزیز بڑے ہوئے تو ایک دن میں آپ کے گھر گئی۔ آپ نے مسعود احمد کو بلایا اور کہنے لگے کہ اس نے تمہیں دودھ پلایا ہے، یہ تمہاری ماں ہے، اس کا تم نے حق ادا کرنا ہے۔ جب میرا لڑکا فوت ہوا تو فرمانے لگے کہ عالمہ! تو کیوں فکر کرتی ہے مسعود احمد جو تیرا بیٹا ہے۔

اللہ تعالیٰ میاںؓ پر اور امی جانؓ پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے اور ان کی اولاد کو ان کے نقش قدم پر چلنے اور ان کا حقیقی وارث بننے کی توفیق دے۔ آمین۔ اللّٰھم آمین ؎

ابّا جانؓ کے متعلق چند باتیں

(از محترمہ سیدہ بشریٰ بیگم صاحبہ بنت حضرت میر محمد اسحٰق صاحب رضی اللہ عنہ)

(۱) قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت

وفات سے دو تین روز پہلے آپ کی طبیعت خراب تھی اور آپ لیٹے ہوئے تھے۔ ان دنوں میں آپ قرآن مجید کا ترجمہ اور نوٹس لکھوا رہے تھے۔ جب آپ کو قرآن شریف لکھنے کے لئے باہر بلایا گیا تو آپ فوراً اٹھ کر باہر چلے گئے اور فرمایا کہ قرآن شریف کے لئے تو رات کے دو بجے تک بھی بیٹھ سکتا ہوں۔ ہمیشہ حدیث شریف کا درس دیتے تھے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیتے تو آپ پر رقت طاری ہو جاتی اور آپ کی آواز بھر آجاتی۔ ایک دفعہ میں نے پوچھا کہ میں حدیث پڑھوں تو فرمایا کہ ہاں ضرور۔ حدیث تو میری جان ہے۔

(۲) اہل وعیال سے سلوک

اَکْرِمُوْا اَوْلَادَکُمْ کی حدیث پر نہایت شاندار طور پر کاربند تھے۔ کسی بچے کا نام بگاڑ کر کبھی نہیں لیتے تھے۔ بلکہ پورا نام بلاتے تھے اور جب کبھی باہر سے آتے تو ہمیشہ مجھے بشریٰ بیگم آواز دے کر بلاتے۔ آپس میں بہن بھائیوں میں بھی بڑوں کا ادب کرنے کی تلقین کرتے اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی ایک دن بھی بڑا ہے تو اس کا نام نہ لیا کرو۔ بچوں کو کبھی گالی یا مار پیٹ نہیں کرتے تھے۔ بلکہ آپ کے منع کرنے اور سمجھانے کا ایسا اچھا طریق تھا کہ ہم آپ کے آنکھ کے اشارے یا ایک دفعہ آواز دینے سے ہی سمجھ جاتے تھے کہ آپ ہمیں منع کر رہے ہیں۔ نماز، قرآن شریف کی دعائیں اور سورتیں سب ہمیں آپ نے یاد کروائیں۔ ہم کسی وقت بھی آپ کے پاس پڑھنے کے لئے کتاب لیجانے

واحد ذمہ دار سمجھتے تھے اور کسی کی یاد دہانی کے محتاج نہ تھے۔ ایسی ذمہ داری کے احساس کے ماتحت جسے آپ نے نہایت اخلاص اور انہماک سے ادا کیا اپنی تمام عمر بسر کی اور یقیناً آپ کا شمار اُن مومنین میں ہوتا ہے جن کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اگر مجھے چالیس مومن مل جائیں تو میں دنیا فتح کر سکتا ہوں۔

قرآن شریف میں مومنوں کے متعلق آیا ہے کہ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ یہ دونوں چیزیں آپ میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔

ایک دفعہ جلسہ سالانہ کے موقعہ پر معاندین نے اشتہار تقسیم کئے۔ انہیں پڑھ کر آپ کی غیرت جوش میں آگئی اور آپ نے فوراً ان کے اعتراضات کا جواب مسجد نور میں دینا شروع کر دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خدا تعالیٰ کا شیر بیشہ میں گرج رہا ہے (میں نے اس سے پہلے کبھی آپ کو ایسی حالت میں نہ دیکھا تھا) اور کوئی نہ تھا جو آپ کے مقابلہ میں آ سکتا۔ مومن کے حجت و برہان کی کیفیت مخالفین کے مقابلہ میں یہی ہوتی ہے۔

دوسری طرف آپ کی تواضع و انکساری ملاحظہ ہو۔ آپ مہمانخانہ کے افسر انچارج تھے اور عملی طور پر اس فرض کو ایسی خوبی سے سرانجام دیتے تھے کہ اس کا تصور کر کے انسان حیران رہ جاتا ہے۔ مہمانوں سے آپ نہایت خندہ پیشانی سے پیش آتے۔ کھانا آپ کی ذاتی نگرانی میں تقسیم ہوتا اور میں نے کئی دفعہ دیکھا کہ آپ خود مہمانوں کے آگے روٹیاں اور سالن کی پلیٹیں نہایت تواضع سے رکھتے۔ میں لاہور سے تعطیلوں میں یا دوران ملازمت جب قادیان جاتا اور کھانے کے لئے مہمانخانہ میں حاضر ہوتا تو آپ میرے ساتھ بہت اکرام سے پیش آتے۔ جب میں آپ کے دست مبارک سے نرم نرم روٹیاں ڈھونڈ کر لانے اور مجھ ناچیز کے آگے رکھنے کا خیال کرتا ہوں تو میری جو حالت ہوتی ہے وہ میں بیان نہیں کر سکتا۔

عید کے موقعہ پر آپ خاص طور پر مہمانوں کے لئے فیشن پکواتے اور اُسے اُن میں تقسیم کر کے انتہائی خوشی اور انبساط محسوس کرتے۔

مہمانخانہ میں حدیث شریف (جس سے آپ کو بہت محبت تھی) کا آپ باقاعدہ درس بھی دیتے۔

غرض آپ کے لیل و نہار اسی طرح حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں گزرتے تھے۔ یہ آپ کی زندگی کا وہ پہلو ہے جو مجھے دیکھنے کا موقعہ ملا۔

اللہ تعالیٰ کے حضور دعا ہے کہ ابد الآباد تک آپ کی پاکیزہ روح پر اس کے فضل کی بارش برستی رہے اور آپ کی اولاد کو جو آپ کے رنگ میں رنگین ہے ہر طرح سے اپنی حفاظت میں رکھے۔ آمین ؁

حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کی زندگی کے بعض پہلو

(از جناب مولوی عبد الرحمٰن صاحب انور مولوی فاضل۔ ربوہ)

حضرت میر صاحب کو جہاں اللہ تعالیٰ نے بہترین معلم بنایا تھا وہاں آپ بہترین مناظر بھی تھے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے حاضر جوابی (اور دوسرے کو لا جواب کرنے کا بھی خاص ملکہ رکھتے تھے اور لطف یہ کہ جواب نہایت مختصر اور بجا تلا ہوا کرتا تھا۔ ایک دفعہ دورانِ تعلیم ایک طالب علم نے حجر اسود کو بوسہ دینے کے معاملہ میں کہا کہ کیا یہ اس پتھر کی پرستش نہیں ہے؟ تو آپ نے نہایت مختصر اور مسکت جواب فرمایا کہ کیا اپنے بچے کو بوسہ دینے سے اس کی پرستش ہو جاتی ہے؟ اس مختصر جواب میں سب دلائل موجود تھے۔

حضرت میر صاحبؓ کا ایک ایسا ہی واقعہ مکرم والد صاحب بزرگوار مولوی محمد عبد اللہ صاحب بوتالویؓ مرحوم یوں بیان فرمایا کرتے تھے کہ جن دنوں وہ سرگودھا میں امیر جماعت تھے وہاں ایک جلسہ کی تقریب پر قادیان سے کچھ علمائے کرام تشریف لائے اس قافلہ کے امیر حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ تھے۔ سرگودھا میں ایک شخص ماسٹر غلام حیدر صاحب ہوا کرتے تھے وہ ویسے تو مسلمان کہلاتے تھے لیکن خیالات کے لحاظ سے دہریہ قسم کے تھے تو خدا تعالیٰ کی ہستی اور عذابِ قبر کے منکر تھے۔ احبابِ جماعت نے ان علمائے کرام کی آمد کی توقع پر ان سے کہہ رکھا تھا کہ اس موقعہ پر ان کی تسلی کرائی جائے گی۔ چنانچہ ماسٹر صاحب آگئے۔ مجلس میں حضرت میر صاحب بھی تشریف فرما تھے۔ لیکن چونکہ امیر قافلہ حضرت حافظ روشن علی صاحب تھے اسلئے ان کے احترام کی وجہ سے حضرت میر صاحب خاموش رہے اور حضرت حافظ صاحبؓ نے ان ماسٹر صاحب کو ایک مسلمان سمجھتے ہوئے اس سوال کو زیادہ وقعت نہ دی اور سرسری طور پر یہی جواب دیا کہ چونکہ بزرگانِ سلف کہتے آئے ہیں اور یقین دلاتے آئے ہیں کہ عذاب قبر برحق ہے اسلئے ہم بھی اسے برحق مانتے ہیں۔ ماسٹر صاحب نے کہا کہ کیا یہی دلیل ہے۔ اس پر حضرت حافظ صاحبؓ نے سابقہ حالات سے ناواقفیت کی بنا پر فرمایا کہ ہاں یہی دلیل ہے اور کافی دلیل ہے۔ اس پر ماسٹر غلام حیدر نے مجلس سے واپس جا کر فخریہ رنگ میں کہا کہ دیکھ لیا احمدیوں کے علماء کو بھی۔ اس پر احبابِ جماعت نے اس کا ذکر حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ سے کیا۔ حضرت میر صاحبؓ نے فرمایا ایسے آدمی کو خاموش بھی کرایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ احباب ماسٹر کو دوبارہ مزید تسلی کرانے کے لئے

لے آئے اور حضرت میر صاحبؓ کی خدمت میں لے گئے۔ حضرت میر صاحبؓ کو چونکہ سارے سابقہ حالات سے اطلاع دی جا چکی تھی انہوں نے ماسٹر صاحب کے سوال کے جواب میں پہلے یہ فرمایا کہ مکرم حافظ صاحبؓ کا جواب بالکل درست ہے اصل دلیل یہی ہے۔ اس پر ماسٹر صاحب نے کہا کہ کیا یہی دلیل ہے؟ حضرت میر صاحبؓ نے فرمایا کہ کیا یہ دلیل کافی نہیں ہے۔ اس پر ماسٹر صاحب نے کہا کہ میں تو جب تک خود کوئی چیز نہ دیکھوں یا اپنے کانوں سے نہ سنوں کسی بات کو مانا نہیں کرتا۔ اس پر حضرت میر صاحبؓ نے فرمایا کہ کیا آپ نے لنڈن شہر دیکھا ہے؟ ماسٹر صاحب نے کہا کہ نہیں۔ حضرت میر صاحبؓ نے فرمایا کہ پھر کیا آپ اس شہر کو تسلیم کرتے ہیں۔ اس پر ماسٹر صاحب نے کہا کہ چونکہ بعض لوگ اسے دیکھ آئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ لنڈن شہر ہے اسلئے میں مان لیتا ہوں۔ اس پر حضرت میر صاحبؓ نے فرمایا کہ اچھا اب آپ اس مقام پر آ گئے ہیں کہ جس چیز کے متعلق کوئی دوسرا شخص کہے کہ میں نے اسے دیکھا ہے اُسے بھی آپ تسلیم کر لیتے ہیں۔ اچھا اگر کوئی کہے کہ اس نے دیکھا ہے کہ ایک چیل ایک گدھا اٹھائے جا رہی تھی تو کیا آپ اسے تسلیم کر لیں گے؟ ماسٹر صاحب نے کہا کہ نہیں تسلیم کروں گا کیونکہ ایسا کبھی ہوا نہیں۔ اس پر حضرت میر صاحبؓ نے فرمایا کہ اچھا اب آپ صرف اس چیز کو ماننے کے لئے تیار ہو گئے ہیں کہ جسے خواہ آپ نے نہ دیکھا ہو لیکن کسی اور نے دیکھا ہو اور ایسا ہوتا بھی ہو۔ اس پر حضرت میر صاحبؓ نے کسی اور چیز کا حوالہ دیا اور ماسٹر صاحب اس موقعہ پر ساکت ہو گئے کیونکہ حجت تمام ہو چکی تھی اور کہا کہ اگرچہ میں لاجواب تو ہو چکا ہوں لیکن میرے دل کی تسلی نہیں ہوئی۔ اس پر حضرت میر صاحبؓ نے فرمایا کہ تسلی دلانا تو خدا تعالیٰ کا کام ہے اس سے دعا کریں۔

حضرت میر صاحبؓ جہاں ہمیشہ باوقار رہتے تھے اور عام حالات میں ان سے بات کرتے ہوئے طبیعت پر ہیبت سی طاری ہو جاتی تھی لیکن تفریح کے مواقع بھی پیدا فرماتے تھے اور اپنے ساتھیوں بلکہ شاگردوں سے بھی بے تکلف ہو جاتے تھے۔ چنانچہ جب کبھی قادیان میں موضع ننگل کے قریب گرمیوں کے موسم میں نہر پہ جانے کا اتفاق ہوتا تھا تو آپ اس میں باقاعدہ طور پر شریک ہوتے تھے اور اپنے ساتھیوں سے اچھی خاصی خوش طبعی فرماتے تھے جس کی بہترین یاد دلوں میں محفوظ رہتی تھی۔

حضرت میر صاحبؓ اپنے اصول کے پابند تھے۔ شادی کے موقعہ پر پسند فرماتے تھے کہ کسی قسم کے کھانے پینے کا بوجھ بوقت رخصتانہ لڑکی والوں پر نہ پڑے۔ جہاں دوسرے احباب کو اس امر کی نصیحت کرتے تھے وہاں جب ان کی صاحبزادی سیدہ نصیرہ بیگم صاحبہ بیگم صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب کی شادی ہوئی تو اس نمونہ کی مثال قائم رکھی اور نہایت سادگی سے بغیر کسی قسم کے خورد و نوش کے انتظام کے (جو اگر وہ سر انجام دیتے تو انکی شان اور حالات کے لحاظ سے کچھ بھی مشکل نہ تھا) اس تقریب کو سر انجام دیا۔ تلاوت قرآن کریم ہوئی اور دعا ہوئی۔

بعض ایمان افروز اور دلچسپ واقعات

(جناب مولوی محمد یاسین صاحب سابق محرر نظارت ضیافت قادیان)

میرا تعلق حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ سے ۱۹۲۲ء سے لے کر ان کی وفات تک رہا ہے اور بعض لوگ مذاق کے طور پر مجھے آپ کا "پرائیویٹ سیکرٹری" بھی کہتے تھے۔ چند ایمان افروز واقعات درج ذیل ہیں:-

(۱) ایک دن دل محمد صاحب مرحوم لنگر خانہ کے ایک نانبائی کی آنکھیں بے حد سوج گئیں اور وہ تکلیف کے مارے اپنے گھر چلا گیا۔ آپ (حضرت میر صاحبؓ) ان کے گھر گئے اور ان کو کہا کہ روٹیاں کون پکائے گا؟ اس نے جواب دیا کہ میری آنکھوں کی حالت دیکھ لیں۔ فرمانے لگے چلو اور کام کرو ہم دعا کریں گے انشاء اللہ ٹھیک ہو جاؤ گے۔ پھر ایک آدمی بھیج کر حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ سے ایک سادہ دوائی بھی اس کے لئے منگوائی۔ دل محمد نے کئی دفعہ بیان کیا کہ لوگ کہتے ہیں ولی اللہ ہوا کرتے تھے اب نہیں ہیں۔ میری آنکھوں کی تندرستی کے لئے حضرت میر صاحب نے دعا کی اب میری آنکھیں کبھی دکھنے ہی نہیں آئیں۔

(۲) مدرسہ احمدیہ کے طلباء کی پڑھائی بہت کمزور تھی اس کے لئے حضرت میر صاحبؓ نے اپنے گھر والوں کی امداد چاہی تو ام داؤد احمد مرحومہؓ چھوٹے بچوں کی تین ابتدائی جماعتوں کو کافی عرصہ گھر پر پڑھاتی رہیں۔ مرحومہ جناب پیر منظور محمد صاحب کی صاحبزادی تھیں۔ ان کی محنت سے طلباء کی تعلیمی حالت کافی حد تک درست ہوگئی۔

(۳) دارالشیوخ میں ۷۵ کے قریب افراد کھانے کے لئے بڑی مشکل کی زندگی تھی اور اس کا فنڈ بڑا کمزور تھا۔ ایک دفعہ قاضی نور محمد صاحب مرحوم ہیڈ کلرک نظارت ضیافت نے عرض کیا کہ اب دارالشیوخ پر دو ہزار قرض ہو گیا ہے۔ فرمایا کہ کل عصر کے بعد تانگہ لانا اور میرے ہمراہ چلنا۔ دارالشیوخ کے لئے چندہ کی تحریک کرنا ہے۔ دوسرے دن میں تانگہ لایا۔ ہم دونوں سوار ہو گئے۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کبیر مرحومؓ کے گھر کے پاس حضرت نواب عبد اللہ خان صاحبؓ ملے اور مصافحہ کیا۔ نواب صاحب نے مصافحہ کے بعد فرمایا کہ ماموں جان آپ کو کہاں جانا ہے۔ فرمانے لگے ہاں کچھ کام ہے مگر دارالشیوخ پر کچھ قرضہ ہو گیا ہے اور اس کے لئے چندہ کرنے کو محلہ دارالرحمت جا رہا ہوں۔ انہوں نے ۵۰۰/- روپے جیب سے نکال کر دیئے۔ مجھے فرمایا جیب میں رکھتے جاؤ۔ جب نواب صاحب کچھ آگے نکل گئے تو فرمایا "لو بھئی تو اچھی ہو گئی ہے"۔

غرض محلہ دار الرحمت میں پہنچے۔ مغرب کی نماز کے بعد تحریک کی گئی۔ مولانا ابو العطاء صاحب نے بھی تقریر کی تھی۔ اہلِ محلہ نے کافی چندہ دیا اور کچھ غلّہ بھی دیا۔ دوسرے دن محلہ دار الفضل بھی گئے۔ پھر دوسرے محلہ جات میں گئے اور ایک ہفتہ کے اندر اندر اڑھائی ہزار روپیہ چندہ جمع ہو گیا، غلّہ اس کے علاوہ تھا۔ قاضی صاحب سے فرمانے لگے کہ جب کمی ہو جائے تو پھر بتانا۔

(۴) ایک دفعہ نظارت علیا سے حکم آیا کہ مہمانوں سے ملاقات کے لئے ناظر صاحبان ملاقات کے وقت کی تعیین کر دیں کہ اعلان کر دیا جائے اور دفتر کا کام کا حرج نہ ہو۔ حضرت میر صاحبؓ نے مجھے فرمایا کہ لکھ دو مجھ سے جس وقت بھی کوئی چاہے ملاقات کر سکتا ہے۔

(۵) جس زمانہ میں حضرت میر صاحبؓ کا قیام اپنے بڑے بھائی حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب سول سرجن مرحوم کی کوٹھی واقعہ محلہ دار العلوم میں تھا حضرت میر صاحبؓ نے کوٹھی کے قریب قریب کے کچھ درخت کٹوا دیئے اور ارد گرد کا چبوترا جو شمالی اور جنوبی اطراف میں تھا درست کرایا۔ ایک دن حضرت نانی امّاں مرحومہ مغفورہ رضی اللہ عنہا جب اس طرف باہر نکلیں تو درختوں کی یہ قطع و برید دیکھ کر سخت غصّے ہوئیں اور فرمانے لگیں کہ جب میاں اسحاق آئیں گے تو میں ان کی خبر لوں گی، ان کا کیا حق تھا، کیوں انہوں نے یہ درخت کاٹے۔
واضح ہے کہ حضرت میر صاحبؓ مرحوم کا یہ دستور تھا کہ گھر جاتے وقت اپنی امّی جان سے مل کر جاتے اور گھر آتے ہی پہلے ان سے ملتے تھے۔ اس واقعہ کی اطلاع گھر سے حضرت میر صاحبؓ کو پہنچا دی گئی اسلئے چپکے سے گھر آتے، جب حضرت نانی امّاں کو خبر ہو جاتی اور وہ اپنے کمرہ سے نکلتیں جو شمالی جانب تھا تو حضرت میر صاحب جلدی سے اپنے کمرہ کے جنوبی دروازہ سے باہر نکل جایا کرتے۔ اس طرح کئی دن ہوتا رہا۔ آخر حضرت امّ المومنین رضی اللہ عنہا کے ذریعہ بڑی مشکل سے معافی ہوئی۔ میرا مشاہدہ ہے کہ میں نے اپنی عمر میں کوئی بیٹا ایسا نہیں دیکھا کہ اپنی والدہ کا اس قدر ادب کرتا ہو۔

(۶) ۱۹۳۰ء کے قریب کا واقعہ ہے جبکہ حضرت میر صاحبؓ کا قیام مہمان خانہ کے مشرقی کوارٹر میں تھا حضرت حکیم محمد حسین مرہم عیسےٰ لاہور والوں نے باہر سے حضرت میر صاحبؓ کو آواز دی۔ حضرت میر صاحبؓ نے مجھے فرمایا کہ حکیم صاحب اور میں جب بیٹھ جائیں تو تم ان سے ممبئی کے مناظرہ کا حال دریافت کرنا۔ میرے ہمراہ ایک دو اور دوست بھی تھے۔ بورڈنگ مدرسہ احمدیہ کے ایک کمرہ میں حضرت میر صاحبؓ تشریف لے آئے جو ان دنوں ناظر ضیافت کا دفتر تھا۔ ابتدائی بات چیت کے بعد ہم نوجوانوں میں سے ایک نے حضرت حکیم صاحب سے عرض کیا کہ مہربانی کر کے ممبئی کے مناظرہ کا حال سنائیں۔ وہ لیت و لعل کرنے لگے اور ہنس پڑے۔ پھر دوسرے نوجوانوں نے لجاجت کی اور پھر میں نے اصرار کیا تو حکیم صاحب فرمانے لگے تمہیں کس نے بتایا ہے۔ میر صاحب کا دل ہنسنے کو

چاہتا ہوگا۔ کافی دیر منت سماجت کے بعد حضرت حکیم صاحب فرمانے لگے لو بھائی سن ہی لو۔

فرمانے لگے حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک دفعہ مَیں اور میر صاحب تبلیغ کے لئے بمبئی گئے وہاں کوئی شخص ہماری بات ہی نہ سنے۔ کئی دن کے بعد یہ ترکیب کی گئی کہ ایک ہم میں سے احمدی مولوی بن جائے اور دوسرا غیر احمدی مولوی۔ اشتہار نکالا جائے اور شہر میں منادی کرائی جائے۔ چنانچہ اشتہار نکالا گیا۔ بڑی منادی کرائی گئی اور ایک جگہ مناظرہ کے لئے تجویز ہو گئی۔ دن کا وقت تھا۔ مَیں نے (حکیم صاحبؓ نے) حیاتِ مسیح کا مضمون لیا اور میر صاحب نے وفاتِ مسیح کا۔ مناظرہ میں مَیں ہار گیا تو لوگوں نے مجھے مارنا شروع کر دیا اور میرے تمام کپڑے پھاڑ دیئے۔ حتّٰی کہ میرے بدن پہ ذرہ بھر کپڑا نہ رہا۔ بڑی مشکل ہوئی اور مَیں دھکا پیلی کرتا ہؤا سٹیج سے اُترا اور بازار کی طرف بھاگ پڑا۔ کثرت سے لوگ میرے پیچھے بھاگنے لگے (اس بیان کے موقعہ پہ حضرت میر صاحبؓ اس زور سے ہنسے کہ ان کے پیٹ میں بل پڑ گئے اور چارپائی پر لیٹ گئے) مَیں نے پھر بہت زور سے دوڑنا شروع کیا اور ہجوم پیچھے رہ گیا۔ کئی فرلانگ مَیں ننگ دھڑنگ دوڑتا گیا۔ پھر ایک پولیس چوکی آ گئی۔ مَیں وہاں چلا گیا اور دم لیا۔ پولیس والے بھی سخت پریشان ہوئے اور کہنے لگے کہ یہ دیو کہاں سے بالکل ہی ننگا آ گیا اور مجھے نکالنے کو تیار ہو گئے۔ مَیں نے ہاتھ جوڑے اور کہا کہ بھائی میری بات تو سن لو، مجھے نہ نکالو لوگ میرا خون کر دیں گے۔ خدا کے واسطے میری بات سن لو۔ اس پہ اُن کو کچھ رحم آ گیا اور ایک چھوٹا سا کپڑا مجھے دیا جو مَیں نے بطور لنگوٹی کے باندھ لیا اور شام تک وہیں چھپا رہا۔ کافی دیر ہو گئی۔ عشاء کے قریب ہماری جماعت کے آدمی بھی آ گئے اور مَیں ان کے ساتھ ہو لیا۔" پھر حکیم صاحب مرحوم ہنستے ہوئے فرمانے لگے "یہ ہے روئداد مناظرہ بمبئی۔"

(۷) جماعت کے معذور، بوڑھے، مفلوک الحال، غرباء، نابینا، بیوگان اور یتیم بچوں کی پرورش کے لئے حضرت میر صاحبؓ نے ایک ادارہ **دار الشیوخ** کے نام سے جاری کیا ہؤا تھا۔ بعض لوگ مختلف گھروں میں بھی رہتے تھے۔ ان سب کا خرچ ایک بوری آٹا ہر روز کا تھا۔ ایک وسیع مکان بھی اُن کے لئے کرایہ پر لیا ہؤا تھا جس میں سکولوں اور جامعہ میں پڑھنے کے قابل طلباء رہا کرتے تھے اور ان بچّوں کی ہر طرح کی ضرورت پوری کرنے کی پوری پوری کوشش فرمایا کرتے تھے۔ بچّوں کی نگہبانی کے لئے ایک مہتمم دار الشیوخ بھی مقرر تھا۔ افسوس کہ حضرت میر صاحبؓ کی وفات کے بعد اس باغ کی نگہبانی میں فرق آ گیا اور بعض ہونہار نوجوانوں اور بچّوں سے بھرا ہوا یہ باغ حضرت میر صاحب کی زندگی کے تیسرے سال تک بالکل ختم ہو گیا۔ اِنّا لِلّٰہ و اِنّا الیہ راجعون۔

(۸) حضرت میر صاحبؓ شریعت کے پابند بزرگ تھے۔ دہلی کی شائع شدہ بخاری شریف جس کے تیس پارے تھے وہ زیر مطالعہ رکھتے تھے۔ استغفار اور درود شریف کا ورد تھا۔ فوٹو گھر میں نہ لگواتے تھے۔ آپ جہاں اور جس مکان میں بھی رہے کوئی فوٹو نہ لگوایا ✧

حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کی اعلیٰ سیرت

(جناب مولوی محمد اسمٰعیل صاحب ذبیح مولوی فاضل)

مجھے حضرت میر صاحب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بطور خدمت گزار، شاگرد اور پھر بے تکلف اور رفیق شفقت دوست ہو کر رہنے کا لمبا عرصہ نصیب ہوا ہے۔ اس وقت جبکہ میں مدرسہ احمدیہ کی ابتدائی جماعتوں میں پڑھتا تھا، آپ کے ساتھ اکثر سفر میں بطور خدمت گزار قادیان سے باہر جانے کا اتفاق ہوا۔ دوران سفر تمام رقم میرے سپرد فرما دیا کرتے تھے اور کبھی بھی حساب کتاب نہیں مانگا۔ راستے میں جب کھانے کا وقت ہوتا تو آپ کبھی بھی امتیازی سلوک نہیں کرتے تھے۔ آپ مجھ سے پہلے کھانے سے فارغ ہو جاتے اور مجھے فرماتے تم اچھی طرح سے سیر ہو کر کھاؤ جس چیز کی ضرورت ہو اور منگوا لو۔

آپ کو غریب پروری کا اس قدر خیال تھا کہ گویا یہ چیز آپ کی عادت ثانیہ بن چکی تھی۔ غرباء کی ایک فہرست آپ اپنے ہاتھ سے تیار کر کے اپنے پاس رکھتے تھے۔ دارالشیوخ کے کام میں اس قدر دلچسپی لیتے تھے کہ جیسے یہ غرباء آپ کے اپنے بچے ہوں۔ ایک دفعہ دھرمکوٹ رندھاوا سے دو بچے (جمال دین۔ کمال دین) آپ کے پاس لائے گئے۔ ان کا والد فوت ہو چکا تھا۔ آپ نے دونوں بچے مجھے دیکر فرمایا کہ امی جان کے پاس لے جاؤ۔ ایک بچے کو میں نے اٹھایا اور ایک کو دوسرے آدمی سے اٹھوا کر آپ کے مکان پر لے گئے۔ حضرت امی جان نے دونوں بچوں کو غسل دیا اور پھر صاف کپڑے پہنائے، ان کے سر پر دو مخملی ٹوپیاں پہنائیں اور مردانے دروازے سے میرے سپرد کر کے فرمایا انہیں میر صاحب کو جا کر دکھاؤ۔ یہ پنجابی کشمیری بچے جو چند منٹ پہلے بڑی خستہ حالی میں تھے اب پہچانے نہیں جاتے تھے۔

ایک دفعہ محلہ دارالرحمت کا ایک غریب آدمی آیا اور اس نے حضرت میر صاحبؓ سے کچھ عرض کی۔ میر صاحبؓ اندر تشریف لے گئے ایک خالی کنستر اور ایک روپیہ اس کے حوالے فرمایا اور کہا کہ ہمارے لئے مکی کا آٹا لے آؤ۔ وہ سستا زمانہ تھا، تھوڑی دیر کے بعد وہ آدمی کنستر بھر کر مکی کا آٹا لے آیا۔ آپ نے فرمایا میاں! اسے اپنے گھر لے جاؤ۔

ضلع کوہاٹ کے دو لڑکے آپ کے گھر میں رہتے تھے۔ آپ ان کے تمام اخراجات ادا فرماتے تھے۔ دونوں ہائی سکول میں پڑھتے تھے۔ ایک دفعہ دونوں لڑکے میر صاحبؓ کے گھر سے چلے گئے، چونکہ زمانے میں

وہیں آتے جاتے تھے اس لئے وقتی طور پر آپ کو بڑی تکلیف ہوئی۔ ایک ذمہ وار ٹیچر صاحب یہ حال سُن کر آپ کی خدمت میں آئے اور عرض کی کہ اُن لڑکوں نے بڑی گستاخی کی ہے۔ ہم نے تو صرف آپ کی وجہ سے دونوں بھائیوں کی فیس معاف کر رکھی ہے۔ یہ بات سُن کر آپ نے فرمایا۔ نہیں ایسی کوئی بات نہیں، بچے ہیں اور یہ عمر ناسمجھی کی ہوتی ہے۔ ان کو کوئی تکلیف نہ ہو۔

اہل خانہ سے سلوک کے سلسلہ میں آپ فرمایا کرتے تھے، ہمارا نکاح شعائر اللہ میں سے ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک خواب کی بنا پر ہمارا نکاح کیا تھا۔ بیں اور دیگر چھوٹے طلبہ آپ کے گھر والوں کو امی جان ہی کہتے تھے۔ امی جان کا فیصلہ حرفِ آخر ہوتا تھا۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے علم و فضل میں وہ بھی اپنی مثال آپ تھیں اور خدا تعالیٰ کے مسیح کی نظرِ انتخاب ہی اس امر کی کافی دلیل ہے کہ وہ آپ کے خاندان میں آنے کی اہل تھیں، علوم دینی میں حضرت میر صاحبؓ کے استدلالات کو اپنا لیتی تھیں۔ ان کے سلسلہ اور لجنہ کے کام ایک طویل مقالے میں ہی سما سکتے ہیں۔

پکنک کے لئے نہر پر جاتے وقت، سیر کو جاتے وقت حضرت میر صاحبؓ حضرت امی جان کو بھی ساتھ لے جاتے تھے۔

بچوں کے متعلق آپ کی عادت تھی کہ نماز میں، یوم تبلیغ پر باہر دیہات میں صاحبزادگان کو ساتھ لےجاتے تھے اور انہیں ضروری ہدایات فرماتے تھے۔

یوں تو آپ کا حلقۂ احباب بہت وسیع تھا مگر حضرت مولوی عبد السلام صاحب کاٹھ گڑھی، حضرت مستری نظام الدین صاحب سیالکوٹی، مکرم شیخ بشیر احمد صاحب کے والد صاحب، حکیم محمد حسین صاحب مرحوم مرہم عیسیٰ آپ کے بہت بے تکلف دوست تھے۔ آپ کے بعض احباب ایسے بھی نکلے جو اب ناقابلِ ذکر ہو گئے ہیں۔

آپ کا لباس شلوار، سادہ قمیص اور اس پر کوٹ ہوتا تھا۔ ایک آدھ دفعہ پشاوری لنگی بھی باندھی ہے ورنہ زیادہ تر دوپی ٹوپی استعمال فرماتے تھے۔ پاؤں میں بغیر تسموں والی گرگابی استعمال فرماتے تھے۔ آپ کے سر کے بال ہمیشہ ایک جیسے ہوتے تھے۔ جن کی لمبائی ڈیڑھ انچ تک ہو سکتی ہے۔ پیشانی سے لیکر گردن تک سب بال برابر ہوتے تھے۔ ریش مبارک بھی برابر ہوتی تھی۔ آخری عمر میں خضاب استعمال فرماتے تھے اور عینک لگاتے تھے۔ بدن مبارک بھاری تھا۔ چہرہ گول اور بڑا بارعب اور بڑا پرکشش تھا۔ رنگ گندم گوں تھا۔ قد میانہ، نہ لمبا نہ کوتاہ، چال بڑی پُر وقار، ہمیشہ سوٹی ہاتھ میں رکھتے تھے۔

آپ کو دمے کی دائمی شکایت تھی۔ دردِ نقرس کا دَورہ بھی ہو جاتا تھا۔ اس کے علاوہ آپ پر کئی دفعہ

شدید بیماریوں کا حملہ بھی ہوُا۔ دمے کی وجہ سے تقریر کرنے سے پرہیز فرماتے تھے۔ مگر ہر فتنے کے دنوں میں اپنی صحت کی پرواہ کئے بغیر ہر روز تقاریر فرمایا کرتے تھے اور فرماتے تھے یہ جہاد ہے۔

شیخ عبد الستار صاحب نومسلم ایک ناخواندہ شخص تھے۔ قادیان کے قریب کے موضع سے سکھوں سے مسلمان ہوئے تھے۔ آپ ان سے بہت بے تکلّف تھے اور اکثر مجلس میں ان سے پرانے واقعات سُنتے اور خوش طبعی فرمایا کرتے۔

قومی اور ملّی غیرت کے وقت مجسّم شیر بن جاتے۔

جب مَیں نے مولوی فاضل کا امتحان پاس کر لیا اور مکیریاں کے مرکز میں کام کرتا تھا ایک دن مَیں حاضر خدمت ہوُا تو فرمایا مولوی اسمٰعیل! شادی کا انتظام خود کرو گے یا مَیں کروں؟ مَیں نے عرض کی آپ نے ہی کرنا ہے نکاح وغیرہ ہو گیا۔ درمیانی شرطیں خود طے فرمائیں اور شادی کے دن فرمایا مَیں نے اپنے لئے تانگے کا انتظام کر لیا ہے آپ بھی تانگہ منگوا لیں۔ پھر فرمایا اس وقت آپ کے پاس کتنے روپے ہیں؟ مَیں نے عرض کی اتنے ہیں۔ فرمایا رخصتانہ لے آنے کے بعد اتنے ہی روپے تمہاری جیب میں دیکھ لوں گا کوئی رسم نہیں کرنی۔

اپنے استاد حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب حلال پوری رضی اللہ عنہ کی بہت عزت کرتے تھے اور حضرت مولوی صاحبؓ بھی آپ کا اس قدر ادب کرتے تھے کہ اس نمونے پر رشک آتا۔ ایک دفعہ حضرت مولوی صاحبؓ کو نمونیہ ہو گیا۔ آپ انہیں اپنے گھر لے آئے اور کئی آدمی خدمت کے لئے مقرر کئے۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد تشریف لا کر حالت دریافت فرماتے تھے۔

آپ کو ایسی چالیس حدیثیں بمع سند زبانی یاد تھیں جن کا سلسلہ سند حضرت امام بخاریؒ تک جاتا تھا۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ اس سند میں آپ کے شیخ تھے۔ آپ نے اخبار میں اعلان فرمایا تھا کہ جو دوست بھی یہ حدیثیں بمع سند سُنا دیں گے مَیں انہیں سند دے دوں گا۔ چنانچہ حضرت منشی محمد الدین صاحب رضی اللہ عنہ کھاریاں والوں نے یہ سند حاصل کی تھی۔ ممکن ہے کوئی صاحب اور بھی ہوں مگر مجھے ان کا ہی سند حاصل کرنا یاد ہے۔

حضرت میر صاحبؓ کا حسنِ سلوک

(جناب مولوی عبدالرحیم صاحب عارف مولوی فاضل جھنگ)

استاذی المکرم حضرت میر محمد اسحاق صاحب رضی اللہ عنہ بندہ کے حال پر نہایت مہربان تھے۔ بندہ بہت عرصہ آپ کی ہمسائگی میں رہا ہے۔ ویسے بھی ہمارے بزرگ استاد تھے۔ آپ بہت عرصہ ریتی چھلہ والے مکان میں جو حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب رضی اللہ عنہ کا تھا رہائش پذیر رہے۔ بندہ حضرت مولوی شیر علی صاحب رضی اللہ عنہ کے مکان میں رہتا تھا۔ بعض دفعہ مجھے بلوا کر کوئی خدمت سپرد فرماتے اور بعض دفعہ کھانے کے لئے بلاتے۔

ایک طالب علم جو مولوی فاضل کی تیاری کرتا تھا اس کے لئے آپ نے ایک استاد رکھا اور مجھے بلا کر فرمایا "عبدالرحیم عارف تم بھی پڑھنے کے لئے آجایا کرو" کیونکہ خاکسار بھی مولوی فاضل کے امتحان کی تیاری میں مصروف تھا۔ آپ کے ارشاد کے مطابق خاکسار بھی اس طالب علم کے ساتھ پڑھتا رہا کیونکہ خاکسار کو اتنی وسعت نہ تھی کہ کسی استاد سے ٹیوشن پر امداد حاصل کرتا۔ مگر یہ آپ کی شفقت اور مہربانی تھی جو میرے حال پر آپ نے فرمائی۔ جب یونیورسٹی کی طرف سے کامیاب طالب علموں کے نام شائع ہوئے تو مجھے بلایا۔ فرمایا "مبارک ہو تم پاس ہو گئے" میرے ساتھ ایسی باتیں کرتے رہے جیسے باپ اپنے بیٹوں کے ساتھ کرتا ہے۔ اور بندہ کے امتحان مولوی فاضل میں پاس ہونے پر نہایت خوش ہوئے۔ آج تک وہ نظارہ میرے سامنے ہے جب آپ نے محبت بھری باتیں کیں۔

خاکسار ہر جلسہ سالانہ کے موقعہ پر لنگر خانہ اندرون قادیان میں منتظم تقسیم روٹی ہوتا تھا۔ جلسہ کے اختتام پر جب مہمان گھروں کو واپس جاتے تو فرماتے کہ جو مہمان تبرک کے طور پر روٹیوں کا مطالبہ کرے اُسے دیدیا کرو۔ چنانچہ ہم لوگ آپ کے ارشاد کی تعمیل میں دس دس بیس بیس روٹیاں مہمانوں کو دیدیا کرتے۔

عیدین کے موقعہ پر جب قادیان کے گرد و نواح کے دیہات کے احمدی نماز عید کے لئے آتے تو ان کے لئے لنگر خانہ میں کئی دیگیں پلاؤ کی تیار کرواتے اور اپنے دستِ مبارک سے پلیٹیں اٹھا اٹھا کر میزوں پر مہمانوں کے آگے رکھتے اور نگرانی فرماتے اور اس بات کا خاص خیال رکھتے کہ کوئی کھانا کھانے سے نہ رہ جائے۔

اطلاع یہ خاص نمبر ۳۰ ستمبر ۱۹۶۱ء کو شائع ہوا ہے۔ اس کی عام قیمت ڈیڑھ روپیہ ہے اور محصول ڈاک وغیرہ کیلئے چار آنے فی نسخہ جاہئیں۔ خریداران کیلئے یہ ستمبر و اکتوبر کا رسالہ ہے۔ آئندہ شمارہ دس نومبر کو پوسٹ ہوگا۔ انشاء اللہ۔ (مینیجر)

ایک روایت

(از مکرم چوہدری فضل الرحمٰن صاحب سابق انسپکٹر تحریک جدید)

"جب سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ ۱۹۵۵ء میں سفر یورپ سے واپس تشریف لائے تو مسجد مبارک کے صحن میں عصر کی نماز پڑھانے کے بعد مجلسِ احباب میں رونق افروز ہوئے۔ حضور مولانا ابو العطاء صاحب سے گفتگو فرما رہے تھے کہ واقفینِ زندگی دوستوں کے الاؤنسوں کا ذکر ہوا۔ حضور نے گذشتہ ائمۂ دین، بزرگانِ کرام اور مجدّدینِ اسلام کی قربانیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ پاکپتن والوں کو کون الاؤنس دیتا تھا۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کو کون سا ادارہ خرچ دیتا تھا۔ حضرت معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کو کس دفتر نے مقرر کیا تھا اور خرچ دیتا تھا۔ یہ سب لوگ اپنی ذاتی ذمہ واری سمجھتے تھے کہ ہم نے دین اسلام کی خدمت کرنی ہے۔ اور پھر ان لوگوں نے اپنے نمونے بھی پیش کئے۔ اللہ تعالیٰ ان کو کہیں نہ کہیں سے رزق دیتا ہی رہا۔ اسی سلسلہ میں حضور نے سنایا کہ ایک مرتبہ ہماری نانی جانؓ گھر میں کہنے لگیں کہ اسحٰق اب اسمٰعیل کی روٹیوں پر ہے (یعنی حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ چونکہ اپنے آپ کو ہمہ تن خدمتِ دین میں مصروف رکھے ہوئے تھے اور حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب ڈاکٹری کے ذریعہ آمد سے گذر اوقات کے لئے میر صاحب کو بھی کچھ امداد دیتے ہیں اور وہ خدمتِ دین کرتے ہیں) یہ بات حضرت اماں جان (حضرت امّ المومنین سیّدہ نصرت جہاں بیگمؓ) نے بھی سنی تو والدہ کو مخاطب ہو کے کہنے لگیں کہ امّی! آپ نے یہ تو کہہ دیا کہ اسحٰق اسمٰعیل کی روٹیوں پر ہے لیکن آپ نے یہ نہیں سوچا کہ اسمٰعیل کو بھی روٹی اسحٰق کی وجہ سے ہی ملتی ہے"

بہشتی مقبرہ قادیان میں

حضرت میر محمد اسحاق صاحب رض کا لوح مزار

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم　　نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم　　وعلی عبدہ المسیح الموعود

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھو الناصر

حضرت میر محمد اسحاق صاحب رضی اللہ عنہ

وصیت نمبر ۸۴۸

پیدائش ۱۸۹۰ء　—　وفات ۱۷ مارچ ۱۹۴۴ء

میر محمد اسحق صاحب رض پانچ بچوں کی وفات کے بعد پیدا ہوئے تھے ۔ اور مجھ سے ایک سال نو مہینہ کے قریب چھوٹے تھے۔ ہماری پڑھائی بچپن میں قریباً اکٹھی ہوئی ۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ سے میرے ساتھ ہی طب پڑھی اور میرے ساتھ ہی عربی کے کچھ اسباق میں شریک ہوئے ۔ قرآن شریف میں نے ان سے الگ پڑھا تھا ۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کو یہ شوق تھا کہ وہ دین کی خدمت کے لئے وقف ہوں اور اس بارہ میں آپ میر ناصر نواب صاحب مرحوم کو ہمیشہ تحریک فرماتے رہتے تھے ۔ انتہا درجہ کے ذہین تھے ۔ حافظہ نہایت اعلی تھا اور قادر الکلام تھے ۔ اس کے ساتھ ہی انتظامی قابلیت ان میں نہایت ہی اعلی درجہ کی تھی جس کی وجہ سے ان کی زندگی میں ضیافت کا محکمہ نہایت ہی مقبول اور جماعت میں محبوب رہا۔

میر ناصر نواب مرحوم رض کی طرح غرباء کی خدمت کا بہت شوق تھا ۔ دارالشیوخ انہی کی یادگار تھی جسمیں ساٹھ کے قریب بچے ۔ بیوائیں اور غریب پرورش پاتے تھے ۔ اور تقریباً تمام اخراجات وہ لوگوں سے چندہ وصول کر کے پورے کرتے تھے۔ نہایت ہی قلیل گزارہ پر انہوں نے اپنی زندگی بسر کی اور خدمت میں ہی وفات پائی ۔ اللہ تعالی ان کے روحانی مدارج بلند فرمائے ۔

مرزا محمود احمد (خلیفۃ المسیح ؓ الثانی)